وَ اِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا
غَیْرَہٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ
تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ
الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۝

اور جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے مشرکین آپ کو اس سے بچلانے ہی لگے تھے تاکہ آپ اس کے (قرآن کے) سوا ہم پر کچھ اور بہتان ( ) باندھنے لگیں اور جب تو وہ آپ کو دلی دوست بنا لیتے * اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو آپ کسی قدر ان کی طرف جھک ہی چلے تھے * جب تو ہم آپ کو زندگی اور موت میں دوہرا مزہ بھی چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔

(۱۷/۷۳ تا ۷۵ * ت : ح)

۳۔ ثقیف کا ایک وفد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ اگر آپ تین باتیں منظور کرلیں تو ہم آپ کی بیعت کرلیں ایک تو یہ کہ نماز میں جھکیں گے نہیں یعنی رکوع سجدہ نہ کریں گے دوسری یہ کہ ہم اپنے اصنام اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے تیسرے یہ کہ لات کی پرستش کریں گے تو نہیں مگر ایک سال اس سے نفع اٹھالیں کہ اس کی پرستش کرنے والے جو نذریں چڑھاوے لائیں اس کو وصول کرلیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس دین میں کچھ بھلائی نہیں جس میں رکوع سجدہ نہ ہو اور اصنام کے توڑنے کی بابت تمہاری مرضی اور لات وعزیٰ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت میں ہرگز نہ دوں گا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ہمیں ایسا اعزاز ملے جو دوسروں کو نہ ملا ہو تاکہ ہم فخر کرسکیں اس میں اگر آپ کو اندیشہ ہو کہ عرب شکایت کریں گے تو آپ ان سے کہہ دیجیے گا کہ اللہ کا حکم ہی ایسا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (صدر الافاضل برحاشیہ کنز الایمان)

● ان آیات میں مزید تدبر کرنے سے نبوت کی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی کلام الہٰی میں کسی وجہ سے ذرہ برابر کمی بیشی ناقابل برداشت ہے۔ کفار مکہ نے بارہا کوشش کی۔ قدموں میں زر و سیم کا ڈھیر لگا دینے، تاج و تخت پیش کرنے اور رشتہ دینے کی بارہا پیش کش کی لیکن جیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر ان کی پیش کشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کہ اگر تم سورج میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں بال برابر ادل و بدل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے جس مقصد کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل رہوں گا۔

۷۴۔ علامہ زرکشی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کو مضبوطی سے راہ راست پر مستحکم کر دیا ہے اس لئے کفار کی طرف ادنیٰ سا بھی میلان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ "لولا" امتناعیہ کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کا یہ مفہوم بیان کیا جائے۔ (البرھان، جلد ۴، صفحہ ۱۳۷) نفس کی طہارت کے ساتھ تثبیت خداوندی کی سعادت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مقام عالی اور شان رفیع پر فائز فرما دیا۔ (البرھان) (ضیاء القرآن)

۷۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ جاننے والے کا گناہ نہ جاننے والے سے سخت تر ہے۔ (نور العرفان)

لغوی اشارے ★ يَفْتِنُونَكَ: جمع مذکر غائب مضارع مثبت۔ فَتْنٌ سے۔ آپ کو وہ بہکا دیں۔ بہکا دیں ▲ اَوْحَيْنَآ: ہم نے حکم بھیجا، ہم نے وحی کی۔ اِيْحَاءٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ▲ ثَبَّتْنٰكَ: ہم نے تمہیں ثابت رکھا۔ ہم نے تمہیں ٹھہرا رکھا۔ ثَبَّتْنَا، تَثْبِيْتٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم كَ ضمیر واحد مذکر حاضر ▲ كِدْتَّ: واحد مذکر حاضر ماضی معروف، كَيْدٌ مصدر واسم مصدر (باب ضرب) کید کے معنی ہیں پوشیدہ تدبیر عموماً کید کو شام ذم میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا معنی ہوتا ہے فریب، مکر، دھوکہ لیکن کبھی اس کا معنی اچھی پوشیدہ تدبیر بھی ہوتا ہے جیسے اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ میری تدبیر مضبوط ہے۔ بعض مفسرین نے اس جگہ کید کو بمعنی عذاب قرار دیا ہے۔ (راغب) کید کے معنی کود لیں آتے ہیں یعنی کسی فعل کے وقوع یا عدم وقوع کے قریب پہنچ جانا ★ کاد کے تحت یہ تفصیل ملتی ہے۔ كَادَ: ماضی واحد مذکر غائب۔ کَوْدٌ مصدر (باب سمع) اصل میں کَوِدَ تھا، کَوْدًا اور مَكَادَةً بھی مصدر ہیں (راغب) نَصَرَ اور سَمِعَ دونوں بابوں سے آتا ہے

سیبویہ کا قول ہے: "میں نے ایک عرب کو کُدْتُ کہتے سنا (بروزن قُلْتُ، باب نصر) میں نے بعض لوگوں کو کاد کی جگہ کِیدَ (مثل معروف) کہتے سنا جو اصل میں کَوِدَ تھا (باب سمع) واو کا کسرہ کاف کو دینے کے بعد واو کو یا سے بدل دیا" (قاموس)۔ کاد افعال مقاربہ میں سے ہے فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اَنْ بہت کم آتا ہے۔ راغب کے نزدیک سوائے شعر کے اور جگہ کاد کی خبر پر اَنْ آتا ہی نہیں۔ کاد اگر بصورت اثبات مذکور ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آنے والا فعل واقع نہیں ہوا قریب الوقوع ضرور تھا جیسے كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُهُمْ ان کے دل کج نہیں ہوئے لیکن کجی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اگر بصورت نفی مذکور ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آنے والا فعل واقع ہو گیا لیکن عدم وقوع کے قریب تھا جیسے مَا كَادُوا يَفْعَلُونَ وہ (گاو ذبح) کر گزرے لیکن ذبح نہ کرنے کی حد تک پہنچ گئے تھے (مفصل) کَوْدٌ کے معنی ارادہ اور خواہش بھی ہے ▲ أَذَقْنٰكَ ہم نے تم کو چکھایا۔ اس میں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر ہے ▲ ضِعْفَ: دوگنا، دونا، دوچند، امام راغب اصفہانی تحریر فرماتے ہیں۔ ضِعْفٌ۔ الفاظ متضائفہ میں سے ہے ان میں سے ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مقتضی ہے جیسے کہ نِصْفٌ اور زَوْجٌ ہیں۔ "ضِعْفٌ" کے معنی دو مساوی مقداروں کی ترکیب کے ہیں اور یہ عدد کے ساتھ مخصوص ہے * ضعف وہ ہے جو اس کو دوگنا کر دے اور جب اس کی اضافت کسی عدد کی طرف کی جائے گی تو وہ عدد اور اتنا ہی اور (یعنی اس عدد کا دوگنا) مراد ہوگا * ازہری نے تصریح کی ہے کہ ضعف کے معنی کلام عرب میں مثل کے ہیں اور اصل تو یہی ہے، پھر ضعف کا استعمال مثل میں بھی کیا گیا اور اس سے زیادہ کے لئے بھی اور زیادتی کی کوئی حد نہیں ہے ▲ تَجِدُ: وہ (جان) پائے گی (ضرب) وجودٌ سے جس کے معنی پانے کے ہیں مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب، واضح رہے کہ وجود کی کئی قسمیں ہیں۔ کسی چیز کو حواس خمسہ کے ذریعہ پانا۔ ۲۔ بقوت شہویہ کسی چیز کو پانا۔ ۳۔ قوت غضبیہ کے ذریعہ۔ ۴۔ عقل کے ذریعہ (ل ق)

معلومات مزید * اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب رسول خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مؤید و مددگار ہے اور تنبیہات کثیر ہیں تاکہ ہر راہ راست جادہ حق پر آپ کو ثبات بخشتا ہے وہی ہر طرح سے حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کو محفوظ رکھتا ہے۔ شریروں کی شر انگیزیوں اور بدکاروں کے مکر و فریب سے وہی اپنے محبوب رسول کو سلامت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام امور کا نگہبان ہے اور وہی آپ کا حامی و ناصر ہے وہ آپ کو مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کا کارساز، مددگار، مؤید اور محافظ ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں پر فتح و ظفر بخشنے والا اور مشرق و مغرب میں آپ کو غلبہ عطا کرنے والا ہے (سید محمد حمید الدین شرفی)

وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا
يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ
إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

اور انھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انھوں نے یہ حماقت کی) تب وہ بھی نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ* (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنھیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی ردوبدل * نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجئے) نماز صبح بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔
(ض: ت * ۷۶ تا ۷۸ /۱۷)

۷۶۔ بیہقی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے بروایت شہر بن حوشب، عبد الرحمن بن غنم کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو شام کو جائیے وہ انبیاء کی سرزمین ہے اور حشر کا مقام بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے قول کی تصدیق کی اور غزوۂ تبوک (سرحد شام) پر تشریف لے گئے۔ تبوک جانے سے آپ کا مقصد شام کو جانے کا تھا جب تبوک کو پہنچ گئے تو سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔ " اور وہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو واپس جانے کا حکم دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اپنے رب سے کچھ مانگئے ہر نبی کو کوئی ایک سوال قبول ہی کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے مشورہ دو کہ میں کیا مانگوں حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہیے " اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مددگار غلبہ دے" (۸۰/۱۷) اس آیت کا نزول شام سے مدینہ کو واپس آنے کے زمانہ میں راستہ میں ہوا۔ سعید بن جبیر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا انبیاء تو شام میں رہتے تھے آپ مدینہ میں کیسے ہیں (یہ بات سن کر) حضور علیہ السلام نے مدینہ سے (بالکل) روانہ ہو جانے کا ارادہ فرما لیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر کی ایک اور مرسل روایت میں مشرکوں کی جگہ یہودیوں کا لفظ آیا ہے۔ بغوی نے کلبی کا بیان

نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو جلن کی وجہ سے آپ کا مدینہ میں قیام ناگوار ہوا اور انہوں نے عرض کیا ابوالقاسمؐ آپ واقف ہیں کہ یہ انبیاء کی سرزمین نہیں ہے انبیاء کی سرزمین تو شام ہے وہ مقدس زمین ہے وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء رہتے تھے۔ اگر آپ بھی نبیوں کی طرح نبی ہیں تو شام کو چلے جائیے آپ جو شام کی سکونت پسند نہیں کرتے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رومیوں کا خیال (ڈر) ہے لیکن آپ اگر اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ رومیوں سے آپ کی ضرور حفاظت کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکل کر تین میل کے فاصلہ پر اور بقول بعض ذی الحلیفہ میں خیمہ لگایا تاکہ آپ کے صحابہ وہاں جمع ہو جائیں (اور سب تبوک یا شام کی طرف روانہ ہو جائیں) اسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مجاہد اور قتادہ کے قول کے لحاظ سے یہ آیت مکی ہے اور الارض سے مراد مکہ ہے۔ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اپنی قدرت سے انہیں روک لیا۔ آخر کار فوراً ہی ہجرت کا حکم نازل فرمایا اور آپ نے ہجرت فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے مکہ والوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ سورت بھی مکی ہے۔ یہ قرینہ اس آیت کو مکی قرار دے رہا ہے۔ بعض نے کہا نہ یہودیوں کے ساتھ اس آیت کی تخصیص ہے نہ مشرکوں کے ساتھ بلکہ سارے کفار مراد ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرزمین عرب سے نکال دینا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو ناکام کر دیا اور اپنے رسول کو محفوظ رکھا۔

ایسی صورت میں جب کہ وہ کسی طرح آپ کو مدینہ سے نکالتے تو وہ بھی بس تھوڑی مدت آپ کے پیچھے یہاں زیادہ نہ ٹھہر سکتے۔ اللہ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جس بات کی پیشین گوئی آیت میں کی گئی ہے ایسا ہو بھی گیا۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں میں بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں کو بھی نکال دیا گیا اور مکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل آنے کے بعد مشرکین مکہ کو بدر میں قتل کر دیا گیا بالآخر تمام غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال باہر کر دیا گیا ہے بعض مفسرین نے لکھا کہ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آمادہ کر لیتے اور حضور علیہ وآلہ وسلم کو آمادہ کر کے مدینہ سے نکال دیتے تو تمام اہل سعادت کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا۔ (مظہری ترجمہ)

۷۷۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ہمارے رسولوں کا انکار کرنے والوں اور انہیں ایذا پہنچانے والوں کے متعلق ہمارا یہی دستور ہے کہ ہم ان سے اپنے رسول کو نکال کر ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیتے ہیں اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما نہ ہوتے تو ان پر دنیا میں ہی ایسا عذاب نازل ہوتا جس کی یہ تاب نہ لا سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۷۸ ۔ نماز پر مداومت کیجئے سورج کے زوال یا غروب کے وقت * رات کی تاریکی تک اس سے دوسری عشاء
(اہل عرب مغرب کو عشاء اول اور عشاء کو عشاء آخرہ کہتے ہیں) کی نماز کا وقت مراد ہے اور الغاسق اللیل
اس وقت ہوتی ہے جب شفق غائب ہو جائے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی نماز کا وقت ہو جائے تو
اس کے معین وقت ہی ادا کیا جائے ۔ اس سے یہ دو وقتوں کے درمیان علی الدوام قائم کرنا مراد نہیں
اور فجر کی نماز کے وقت اس کا منصوب ہونا اقم کے مفعول پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہے اور یہاں
قرآن سے نماز مراد ہے اس لئے کہ قرآن یعنی قراءت نماز کا ایک رکن ہے اور جزو بول کر کل مراد
لینا یہی عام قاعدہ ہے اور نماز کے ارکان ہی سے کسی ایک رکن کو بول کر نماز مراد لینا بھی عام ہے مثلاً
کبھی رکوع یا سجدہ بول کر نماز مراد لی جاتی ہے ۔ ("دلوک" سے زوال مراد ہو تو آیت سے پانچ نمازوں
کا ثبوت ملا ۔") بے شک فجر کی نماز مشہود ہے یعنی یہ وہ وقت ہے جس میں رات اور دن والے
فرشتے حاضر موجود ہوتے ہیں یعنی دن والے آجاتے ہیں اور رات والے آسمان پر چڑھتے ہیں خلاصہ یہ
کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں رات کے روزنامہ لکھنے والے فرشتوں کی آخر اور دن والوں کی ابتدا کا وقت ہے
ف : یہ وقت قدرت الٰہی کے شواہد سے ہے بایں معنی کہ اس وقت رات کی تاریکی جاتی ہے اور دن کی روشنی
پھیلتی ہے اور نیند سے فراغت ہوتی ہے گویا وہ موت کی مانند ہے (روح البیان : ت)

لغوی اشارے * یَسْتَفِزُّوْنَكَ : جمع مذکر غائب مضارع استفزازٌ مصدر ک ضمیر مفعول
تمہارے قدم اکھاڑ دیں ۔ تمہارے قدم اکھاڑنے لگے تھے ۔ فَزٌّ مصدر (نصر) بواسطہ عن ۔ منہ پھیر لینا
دوڑ جانا ۔ جدا ہو جانا ۔ فَزَازَةٌ اور فَزَازَةٌ مصدر (ضرب) لازم ۔ غضب ناک ہو جانا ۔ غصہ
سے بھڑک اٹھنا ۔ متعدی ۔ کسی جگہ سے اکھاڑ دینا ۔ بے آرام کر دینا ۔ فزفزۃٌ ہنکا دینا دور بھگا دینا
افزازٌ (افعال) ڈرانا ۔ افتزازٌ (افتعال) غالب آنا ۔ استفزازٌ (استفعال) کسی کو
ہلکا اور حقیر سمجھنا ۔ ڈرانا ۔ کسی کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا ۔ گھر سے باہر نکال دینا ۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید : مشرکین ، معاندین ، کفار ، نصاریٰ ، یہود اور مخالفین اسلام یہی چاہتے تھے کہ
حق کا بول بالا نہ ہو اس کے لئے وہ ممکنہ سازشیں شرارتیں اور کوششیں کیا کرتے تھے کہ کسی طرح ایمان
کا نور نہ پھیلے اسی کا ایک حصہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرزمین عرب سے باہر کر دیں
لیکن منشاء رب تعالیٰ نے انہیں ان کے ارادوں اور منصوبوں میں کام یاب نہ ہونے دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قبل ہجرت مکہ میں اور بعد ہجرت مدینہ منورہ میں رونق افروز رہے * اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ
کی سنت یعنی اصول و دستور میں کبھی کوئی رد و بدل نہیں ہوتا قانون الٰہی تبدیل نہیں ہوتا * نماز کے قائم رکھنے
کا حکم یعنی نماز پنجگانہ کی ادائیگی ہر مومن مرد و عورت عاقل و بالغ پر فرض ہے (س م ح ش)

1686

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

اور رات کے کچھ حصّے میں بھی، سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجئے (یہ) آپ کے حق میں زائد چیز ہے عجب کیا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ✶ اور آپ کہتے رہئے کہ اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ اور مجھے نکالتے وقت خوبی سے نکالیو اور مجھے اپنے پاس (سے) غلبہ دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ ملا ہوا ✶ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق (بس اب) آہی گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا۔ (۱۷/۷۹ تا ۸۱ ✶ ت: م)

۷۹۔ رب تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیام لیل اور نماز تہجد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ ... حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: "رات کی نماز" (صحیح مسلم، کتاب الصیام) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا حکم دیا۔ تہجد نیند کے بعد کی نماز کو کہتے ہیں۔ علقمہ، اسود، نخعی اور دیگر حضرات کا یہی قول ہے اور یہی معنی لغت عرب میں معروف ہے حضرات ابن عباس، عائشہ اور متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو عشاء کے بعد ہو۔ بہرصورت اسے نیند کے بعد والی نماز پر محمول کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان نَافِلَةً لَّكَ۔ کا معنی بعض کے نزدیک یہ ہے کہ تہجد صرف حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی نماز تہجد حضور علیہ السلام پر فرض تھی امت پر نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز تہجد آپ کے حق میں نفل (اضافہ) قرار پائی کیونکہ ان نفلی نمازوں کے باعث امتیوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں گویا یہ نفل نمازیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ فرمایا: عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ .... یعنی آپ میرے حکم کو بجا لائیں تاکہ میں آپ کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز کروں جہاں نہ صرف تمام مخلوقات آپ کی تعریف کرے گی بلکہ خود خالق کائنات بھی۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں قیامت کے دن

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے تاکہ ان کا رب انہیں اس دن کی شدت اور سنگین صورتحال سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ایک ہی چٹیل میدان میں جمع کیا جائے گا۔ "اگر پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنائے گا" ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ برہنہ پا برہنہ بدن کھڑے ہوں گے، کوئی بھی اذن الٰہی کے بغیر بات نہیں کر سکے گا اسی اثناء میں ندا دی جائے گی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حضورؐ عرض کریں گے: یارب! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ ہدایت یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے وہ تیری ہی توفیق سے قائم ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرنے والا ہے بجز تیرے نہ کوئی نجات کی راہ ہے اور نہ پناہ گاہ۔ تو بڑا ہی بابرکت ہے تو اور بالا ہے اے رب البیت! تو پاک ہے۔" یہ وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ مجاہد اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے قتادہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن حضور علیہ السلام ہی سب سے پہلے زمین سے رونق افروز ہوں گے اور سب سے پہلے شفاعت بھی آپ ہی کریں گے اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ (مسند احمد جلد ۵) (تفسیر ابن کثیر)

۸۰۔ مُدخَلَ صِدقٍ سے مراد مدینہ طیبہ ہے مُخرَجَ صِدقٍ سے مراد مکہ مکرمہ ہے حضرت الحسن اور قتادہ کا یہی قول ہے مُدخَل اور مُخرَج اسم ظرف ہیں اور ظرفیت یا مصدریت کی بنا پر منصوب ہیں یعنی مجھے مدینہ طیبہ میں اس طرح پسندیدہ اور مرغوب داخلہ عطا فرما کہ اس سے مجھے کوئی چیز ناپسندیدہ دکھائی نہ دے اور مکہ مکرمہ سے میرا ایسا خروج فرما کہ پھر میرا اس کی طرف قلبی رجحان نہ ہو۔ الضحاک کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے مجھے مکہ سے اس طرح نکال کہ مشرکین سے پوری طرح امن ہو اور مدینہ طیبہ میں اس طرح داخل فرما کہ ظاہراً اس میں مجھے غلبہ ہو۔ مجاہد کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے جو مجھے نبوت کا فریضہ عطا فرما کر بھیجا ہے تو اس میں مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور دنیا سے صدق کے ساتھ فراغت عطا کر تاکہ میں اس جہان فانی کو خیر باد کہوں تو اپنے فریضہ نبوت کو کما حقہ نبھا چکا ہوں۔ حضرت الحسن کہتے ہیں مدخل صدق سے مراد جنت ہے اور مخرج صدق سے مراد مکہ ہے (تفسیر بغوی) اور بعض کہتے ہیں ادخال سے مراد ہر معاملہ اور ہر جگہ میں داخل کرنا اور اخراج سے مراد ہر معاملہ اور ہر جگہ سے نکالنا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ سلطٰناً نصیراً کا معنی حجۃ بینۃ یعنی واضح حجت ہے الحسن کہتے ہیں اس کا معنی طاقتور حکومت ہے جس کے ساتھ دشمن پر غلبہ اور ایسی ظاہر عزت جس کے ساتھ میں تیرے دین کو غالب کروں اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا کہ فارس و روم کی حکومتیں ختم فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر

(حضورؐ نے)

اقتدار عطا فرمائے تاکہ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا سوال کیا تاکہ کتاب اللہ کی حفاظت، حدود و دائمی اور اقامت
دین کا فریضہ حسن و خوبی سے ادا ہو سکے (بغوی) قتادہ علیہ الرحمہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا اور حکم دیا کہ
اللہ تعالیٰ سے "سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا" کا سوال کرو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری ـــ)

۸۱۔ اور فرمایئے کہ حق یعنی اسلام و قرآن آ گیا اور باطل یعنی شرک و شیطان ملیامیٹ ہو گیا * امام قشیریؒ نے کہا کہ
حق سے مراد وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور اس کا غیر باطل ہے۔ مصنف تاویلات رقمطراز ہیں کہ حق سے وجود
ثابت حق تعالیٰ اور باطل سے وجود بشری امکانی مراد ہے * بے شک باطل گیا ہی گزرا ہے نہ پہلے اس کی حالت
یہ تھی کہ وہ شئے والا اور غیر ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ یوم فتح مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے مکہ معظمہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ بیت اللہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ اپنے تیر کو ایک ایک بت
بت کی آنکھوں میں ڈال کر فرماتے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ تمام بت منہ کے بل گر پڑے (بحوالہ روح البیان)

لغوی اشارے * تَهَجَّدْ : تو جاگتا رہ، تو بیدار رہ جا، تو تہجد پڑھ۔ تَهَجُّدْ سے جس کے معنی
سونے اور جاگنے اٹھنے دونوں کے آتے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، یہاں نماز تہجد ادا کرنا مراد ہے
الکمالین علی الجلالین میں مرقوم ہے کہ تہجد کے معنی ہیں نماز کے لئے ہجود یعنی نیند کو چھوڑ دینا جیسے تأثم
کے معنی ہیں اثم یعنی گناہ کو چھوڑ دینا۔ پھر خود اس نماز کے لئے اس کا استعمال ہو گیا اور سونے کو بھی
تہجد کہتے ہیں لہٰذا یہ اضداد میں سے ہے ▲ عَسٰی : عنقریب ہے، شتاب ہے، ممکن ہے، توقع ہے
اندیشہ ہے، کھٹکا ہے۔ الاتقان میں ہے "عسٰی فعل جامد ہے، غیر منصرف ہے اور اسی بنا پر ایک جماعت
کا دعویٰ ہے کہ یہ حرف ہے اس کے معنی پسندیدہ بات میں امید کے اور ناپسندیدہ میں اندیشہ اور کھٹکے کے ہیں
ابن فارس کا بیان ہے کہ عسٰی قرب و نزدیکی کے لئے آتا ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی حضرت ابن عباسؓ سے
راوی ہیں کہ قرآن پاک میں ہر جگہ عسٰی واجبہ ہے یعنی یقین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید * تہجد شب آخر کی نماز کو کہتے ہیں۔ ہجود لغت میں سونے کو کہتے ہیں اور ہاجد سونے والا
چونکہ یہ نماز سو کر پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کو تہجد کہتے ہیں۔ اور مصلی باللیل کو ہاجد و متہجد کہتے ہیں
● صاحب فتوحات مکیہ نے کہا ہے کہ مقام محمود ایک ایسا مقام ہے جو تمام مقامات کا مرکز ہے بلکہ تمام اسماء
الٰہیہ کا نظارہ گاہ اور وہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور باب شفاعت
اسی جگہ سے کھلے گا * جب یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرمؐ کا گناہگار کی شفاعت فرمانا حق ہے تو صلحاء کی شفاعت
بطریق اولیٰ ثابت ہوئی ● حق آ گیا، باطل مٹ گیا۔ مکہ فتح ہوا۔ کعبہ میں عرصہ دراز سے بت سجائے گئے تھے
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ میں گئے دست مبارک کی چھڑی سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے جاتے اور اس آیت
کی تلاوت فرماتے تو وہ بت اوندھے منہ گرتے جاتے۔ اس طرح حق کا چرچا ہوا باطل رسوا ہو گیا۔ (ص م ح ش)

1689

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا
خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا
مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ
بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور
اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے * اور جب ہم آدمی پر احسان کرتے ہیں
منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی پہنچے تو نا امید
ہو جاتا ہے * تم فرماؤ سب اپنے کینڈے ( ) پر کام کرتے ہیں تو تمہارا
رب خوب جانتا ہے کون زیادہ راہ پر ہے (۱۷/ ۸۲ تا ۸۴ * ت : ک)

۸۲ - اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے جسے اس نے اپنے محبوب خاتم النبیین حضرت
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا یہ وہ قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، باطل
کسی جانب سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا۔ یہ اہل ایمان کے لئے باعث شفا اور سراپا رحمت ہے
یعنی دلوں کے اندر شک و ارتیاب، نفاق، شرک اور کجی جیسے جو بھی امراض پائے جاتے ہیں اُن
سب امراض کے لئے قرآن کریم شفا ہے اور اس کے ساتھ یہ رحمت بھی ہے جس کے ذریعے
ایمان، حکمت، بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت حاصل ہوتی ہے - اور یہ شفا و رحمت صرف
اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے۔ اس کی تصدیق اور اتباع کرے۔ جہاں تک
اپنے اوپر ظلم کرنے والے کافر ~~کا~~ تعلق ہے تو وہ جوں جوں قرآن سنتا ہے اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور
اس کے کفر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومن جب قرآن کریم
سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے
لیکن کافر نہ اس سے استفادہ کرتا ہے نہ اسے یاد کرتا ہے اور نہ اپنے دل میں بساتا ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو صرف اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت بنایا ہے (تفسیر ابن کثیر)
۸۳ - جب ہم صحت اور خوش حالی سے انسان کو نوازتے ہیں یا قرآن جیسی ایمان افروز کتاب
کو نازل فرما کر اس پر کرم فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے یعنی ان نعمتوں
پر شکر ادا نہیں کرتا - اور پہلو پھیر لیتا ہے یعنی اپنی گردن موڑ لیتا ہے پہلو کو موڑ لیتا ہے

تو یا وہ اس کا ضرورت مند نہیں ہے۔ مستغنی ہے اور جب اس کو کوئی برائی (ناداری یا بیماری)
چھو جاتی ہے تو بالکل نراس ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی نہیں رہتا۔ (تفسیر مظہری۔ت)
۸۴۔ فرمایا ہے کہ ہر ایک مومن و کافر عمل کرتا ہے اپنے اس طریقہ پر جو اسے لائق ہے یعنی ہدایت اور
گمراہی پر* یہ ذو شواکل کے محاورہ سے ہے یعنی وہ بڑا راستہ جس سے چھوٹے چھوٹے راستے نکلتے ہوں*
پس تمہارا رب جس نے تمہیں طبائع مختلف ہی پیدا کیا وہ سیدھے راستے والے کو خوب جانتا ہے
وہ طریقہ حق کے لحاظ سے زیادہ ظاہر اور بین ہے یعنی وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کو جانتا ہے اور
ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا دے گا۔ آیت میں اشارہ ہے کہ اعمال احوال کی
نشانیاں ہیں۔ (ف) جو شخص اپنے اندر خیر و بھلائی اور طاعت و شکر پائے تو وہ اللہ تعالیٰ
کا بے شمار شکر کرے کہ اس نے اس کی توفیق بخشی ہے اور اپنے اندر فسق، شر، کفر اور
ناامیدی پائے تو اس سے پہلے اپنے کو سنبھال لے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ (روح البیان۔ت)

لغوی اشارے * شِفَاءٌ بیماری سے اچھا ہونا۔ اصل میں شَفٰی یَشْفِی کا مصدر ہے اور مرض سے صحت
پا جانے کے لئے بطور اسم مستعمل ہے ▲ اَنْعَمْنَا: ہم نے احسان کیا۔ ہم نے فضل کیا۔ اِنْعَامٌ سے ماضی
کا صیغہ جمع متکلم ▲ اَعْرَضَ: اس نے منہ پھیر لیا۔ اس نے کنارہ کیا۔ اِعْرَاضٌ سے ماضی کا صیغہ واحد
مذکر غائب ▲ مَسَّهُ: مَسَّ فعل ماضی ہ ضمیر مفعول اس کو پہنچا ▲ شَاكِلَتِهٖ: اس کا ڈھنگ
شاکلۃ شَكْلٌ سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث مضاف ہے، ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف
الیہ۔ علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں: شاکلہ کے معنی اس طریقہ اور روش کے ہیں کہ جو اس کی فطرت
میں ودیعت کی گئی ہے۔ فراء کا بیان یہی ہے اور یہ شکل سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے "لست شکلی
و شاکلتی" (تو میرے طریقے اور روش پر نہیں ہے) شَکل کے معنی مثل اور نظیر کے ہیں اور شِکل بالکسر
کے معنی ہیئت کے ہیں۔ راغب اصفہانی رقمطراز ہیں۔ ارشاد الٰہی كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (ہر
ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر) ع ہر کسے آں کند کزو شاید، یعنی اس سجیّہ (طبیعت)
پر کہ جس کا تم نے اسے پابند کیا ہے کیونکہ سجیّہ کا غلبہ انسان پر چھایا رہتا ہے جیسا کہ میں نے
"الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ" میں بیان کیا ہے۔ یہ آیت اسی طرح کی ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشاد ہے كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان ہے جس کے لئے
وہ پیدا کیا گیا ہے) ▲ اَهْدٰى: زیادہ راہ پانے والا۔ زیادہ ہدایت یافتہ۔ ھِدَایَۃٌ سے افعل
التفضیل کا صیغہ ▲ سَبِیْلًا: راستہ، راہ۔ "سبیل" اصل میں اس راہ کو کہتے ہیں جو واضح ہو اور
اس میں سہولت ہو۔ راغب کہتے ہیں۔ سبیل کا استعمال ہر اس شے کے لئے ہوتا ہے جس کے ذریعہ کسی

شے کو بنایا جائے خواہ وہ شے شر ہو یا خیر۔ نیز واضح راستہ کو بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے (لغات القرآن)

مفہومات مزید* قرآن حکیم خالق کائنات کا کلام برحق اور حضور خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیع الشان معجزہ عظیم ہے۔ قرآن مجید اور صاحب قرآن سے محبت دلیل ایمان۔ اس کلام ربانی کی ہر روز تلاوت سعادت عظمیٰ اور موجب برکات۔ قرآن شریف کی آیات کے معانی اور مطالب سمجھنا عملاً بہت شرف و خیر۔ قرآنی احکام پر عمل پیرائی اور تعلیمات کی پابندی دنیا و آخرت میں بھلائی اور نجات کا ذریعہ اور دائمی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ قرآن پاک کے فضل و شرف کا ایک پہلو اس کے نزول کی رات کا ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر اور فضیلت سے ممتاز ہو جانا ہے۔ کلام مجید کا پڑھنا، سننا اور عمل پیرائی کی نیت سے معانی دیکھنا ہم قرآن کا سمجھنا یہاں تک کہ آیات قرآنی کا لکھنا، دیکھنا اور لکھتے رہنا بھی نیکی خیر و سعادت ہے۔ قرآن پاک کی عظمت و شان اس کی ہر آیت ہر لفظ بلکہ ہر حرف سے نمایاں ہے۔ قرآن حکیم علوم و حکمت کا گنجینہ، نور ہدایت، اسرار و معارف کا مخزن۔ ساری انسانیت کا رہبر کامل ہے اس کی تعلیمات ہر دور، ہر وقت اور ہر ایک کے لئے عام ہیں۔ یہ کلام الٰہی تا قیامت تمام بنی آدم کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے تاہم وہ خوش نصیب ہیں جو اس کلام پاک سے خصوصی طور پر فیض یاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کو ایک نہ ایک اعجاز و خصوصیت سے ممتاز فرمایا لیکن اپنا کلام خاص قرآن مجید اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما کر آپ کی ذات والا کو سب پر فضیلت و فوقیت دی۔ قرآن حکیم اہل سعادت کے لئے وسیلہ نجات ہے

قرآن: مصدر ہے پڑھنا۔ اللہ کی کتاب کا خاص نام جو حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی کسی دوسری آسمانی کتاب کا نام قرآن نہیں ہے جس طرح جزو بول کر کل مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح رکوع سجود قیام اور قرآن بول کر پوری نماز بھی مراد لی جاتی ہے۔ قرآن کتب سابقہ الٰہیہ کا حاصل اور مجموعہ ہے۔ قرآن تمام علوم کا مجموعہ ہے۔ سورتوں کا مجموعہ ہے۔ قرآن چونکہ مکمل درس حیات ہے اس لئے تمام ضروریات زندگی کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کا انداز خطاب کہیں سہل ہے جمالی بھی جلالی بھی، آئینی اور تشریحی بھی اور واعظانہ بھی لیکن ہر انداز دوسرے انداز سے الگ اور ہر بیان دوسرے بیان سے مربوط ہے۔ مضامین قرآن میں عقائد یعنی توحید ذات و صفات، ایمان بالرسالہ والملائکہ والبعث بعد الموت وغیرہ، دینی فرائض، اخلاقی احکام، دنیوی و اخروی وعدہ و وعید، دعوت گزشتہ قصص و حکایات، وعظ و ارشاد، آئینی و تشریعی ہیں۔ نزول کے زمانہ میں جتنا حصہ نازل ہو چکا تھا اس کو قرآن ہی کہا جاتا تھا اب جو پورا قرآن ہمارے پاس ہے اس لئے پوری کتاب کا نام قرآن ہے

(مص م ح ش)

وَيَسْئَلُوْنَكَ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ
اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ
لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

اور آپ سے (ماہیت) روح کی بابت سوال کرتے ہیں (سو) کہہ دیجئے روح میرے
رب کے حکم سے ہے اور تم کو علم جو دیا گیا ہے تو بہت ہی تھوڑا ہے * اور اگر ہم چاہیں تو
جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے (قرآن) اس کو اٹھا لے جاویں پھر تو آپ کو اس کی
بابت کوئی ہم سے مطالبہ کرنے والا بھی نہ ملے گا * مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت
ہے (جو ایسا نہیں کرتا) بے شک اس کی آپ پر بڑی عنایت ہے (۱۷/ ۸۵ تا ۸۷ * ت: ج)

۸۵۔ اور آپ سے (یہود) سوال کرتے ہیں اس روح کے بارے میں جو بدن انسانی میں ہے اور اسی پر
انسانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ (اور یہودیوں نے آپ سے روح کی حقیقت کا سوال کیا یعنی کہ جواب
میں کیا کہتا کہ) اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمایئے کہ روح کی حقیقت کا علم ان علوم سے ہے جنھیں
اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور وہ ان اسرار مخفیہ اور امور پوشیدہ سے ہے جس
کی گرد کو عقول بشر نہیں پہنچ سکتیں۔ امر کی جمع امور ہے بمعنی شان اور اختصاص علمی کی وجہ سے ہے
اسے امر تخلیقی سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ امر کو ان ہر دونوں سے تعلق ہے۔ (ف) بیضاوی نے کہا کہ
اللہ تعالیٰ کے (کن) سے جملہ موجودات پیدا ہوئیں ان کا پہلے کسی قسم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی انھیں
کسی اصل سے پیدا کیا گیا جیسے اجساد میں اعضاء کو پیدا کیا گیا ہے * جملہ موجودات کئی قسم کی ہیں۔ ۱۔
بعض وہ جو نہ کسی مادہ سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی مدت معین ہے انھیں مبدعات
سے تعبیر کرتے ہیں جیسے مجردات۔ یہ ہر وجہ سے بالفعل موجود ہیں اس کی حالت کسی وجود کی منتظر نہیں
اور یہ اسماء کے مظاہر ہیں جن کی بعض حرکت سے زمان مقدر ہوتا ہے۔ ۲۔ بعض وہ جو کسی مادہ
اور معین مدت سے متعلق ہیں انھیں محدثات سے موسوم کیا جاتا ہے جیسے عناصر اور وہ مخلوق
جو ان سے مرکب ہوئیں۔ ۳۔ بعض وہ ہیں جن کا کسی مادہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن معین مدت
میں پیدا ہوئیں اس قسم کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس قسم کی مخلوق کا کوئی وجود نہیں اس لئے کہ ہر وہ
شے جو کسی مدت میں موجود ہو تو اس کے ضروری ہے کہ وہ کسی مادہ میں ظاہر ہو۔ یہ اس کا مذہب ہے جو
قائل ہے کہ نفس ناطقہ بدن کے حدوث کے وقت حادث ہوا ہے۔ یہ اقسام باقیہ اسماء متغیرہ
احکام کے مظاہر ہیں یہ وہ تحقیق ہے جس پر صرف اہل اللہ مطلع ہوتے ہیں۔ (ذکرہ داود القیصری ۶/۱)

اور اے مومنو! اور اے کافرو! تم نہیں دیے گئے (کذا فی تفسیر الکواشی) علم سے مگر تھوڑا یعنی
اس جیسے امورِ علم کا تعلق ممکن ہے مگر تھوڑا کہ حس کے ذریعے تم طرق حواس سے استفادہ کر سکو اس لئے
کہ عقل کا اکتساب معارفِ نظریہ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب احساس جزئیات سے جزوی
بات کا استفادہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے جس کی حس مفقود ہو وہ علم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور
بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جن کا حس کو ادراک نہیں ہوتا اور نہ ہی لذات احوال کی معرفت ہو سکتی ہے
اس میں اشارہ ہے کہ روح کی لذات معرفہ حاصل نہیں ہو سکتی ہاں عوارض سے اس کا امتیاز
اور عوارض سے اسے التباس سے دور کیا جا سکتا ہے۔ (ف) بحر العلوم میں ہے کہ "وما اوتیتم" الخ
میں خطاب عام ہے۔ (روح البیان۔ ت)

۸۶۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔ قیامت سے پہلے قرآن اٹھا لیا جائے گا۔ قبل اس کے کہ
قرآن اٹھا لیا جائے تم اس کو پڑھا کرو (یعنی اس کو سمجھو اور اس پر عمل کرو) ایک شخص کہنے لگا یہ تحریریں
تو اٹھائی جا سکتی ہیں۔ لیکن جو قرآن سینوں میں ہوگا وہ کیسے اٹھا لیا جائے گا فرمایا ایک رات گزرے گی
سینوں میں قرآن ہوگا پھر اٹھا لیا جائے گا صبح کو اٹھیں گے تو کچھ بھی یاد نہ ہوگا اور نہ لکھے ہوئے کاغذوں
میں کچھ ملے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا قیامت بپا ہونے سے پہلے قرآن لوٹ کر وہیں چلا جائے گا
کہ جہاں سے اترا تھا شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح عرش کے گرداگرد اس کی گنگناہٹ ہوگی۔
اللہ عزوجل فرمائے گا کیوں کیا بات ہے قرآن کہے گا اے میرے مالک مجھے پڑھا تو جاتا ہے مگر مجھ
پر عمل نہیں کیا جاتا بغوی نے یہی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کو فرماتے سنا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض، علم میراث سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن
سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں رحلت فرمانے والا ہوں اور علم بھی قبض کر لیا جائے گا اور
فتنے پیدا ہو جائیں گے فریضہ (ترکۂ میت کی تقسیم) کے متعلق دو آدمیوں میں اختلاف ہوگا تو
کوئی تیسرا ان دونوں کا فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا (یعنی کوئی عالم ہی نہیں رہے گا کہ فیصلہ کر سکے
(رواہ الدارمی والدارقطنی) حضرت ابن مسعود نے اسی حدیث کو سن کر قرآن کے تحریروں سے
زائل ہو جانے اور سینوں سے فراموش ہو جانے کا ذکر کیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت
سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ جل جلالہ علم کو اس طرح قبض نہیں
کرے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کو قبض کر لے گا اور جب کوئی عالم
باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے جو بغیر جانے فتوے دیں گے خود بھی
گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔ صحیحین کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قبض علم کی

صورت یہ ہوگی کہ علماء نہیں رہیں گے، یہ مطلب نہیں کہ سینوں کے اندر سے قرآن نکال لیا جائے گا، ایک اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ توفیق عمل ختم ہو جائے گی ان احادیث و روایات کے باہم تعارض کو دور کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اول علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی پھر علماء کی قلت ہو جائے گی چنانچہ یہ زمانہ قلت علماء کا ہی ہے پہلے علماء بہت تھے پھر عمل میں کمزوری آئی پھر تعلیم و تعلم میں کمی ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۸۲۔ اللہ عزوجل نے پہلے اپنی قدرت کاملہ مطلقہ کا ذکر فرمایا کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ بیان قدرت کے فوراً بعد اپنی رحمت بے پایاں کا ذکر فرمایا جس سے اپنے آپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز کیا آیت کے اس جملہ میں اپنے جود و کرم فضل و عطا اور عنایات خصوصی کے بے حد زیادہ ہونے کا اظہار فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سید ولد آدم ہونا، مقام محمود پر فائز ہونا، لواء رحمۃ للعالمین کا مرحمت فرمایا جانا ختم نبوت کا تاج سر مبارک پر رکھا جانا اسی فضل کبیر کے چند جلوے ہیں (بحوالہ ضیاء)

لغوی اشارے ✶ **روح**: روح، جان، بھید کی بات، فیض غیبی، وحی، فرشتہ۔ امام راغب لکھتے ہیں رَوح اور رُوح اصل میں ایک ہیں اور روح کو نفس یعنی سانس کا نام قرار دیا گیا ہے یہ اس بنا پر ہے کہ سانس بھی روح ہی کا ایک جزو ہے۔ سیوطی رقمطراز ہیں کہ لفظ روح متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے ۱۔ وحی ۲۔ امر ۳۔ قرآن ۴۔ رحمت ۵۔ حیات ۶۔ جبرئیل ۷۔ ایک عظیم المرتبت فرشتہ ۸۔ خاص فرشتوں کا لشکر ۹۔ روح بدن ▲ **أمر**: کام، معاملہ، حالت، حکم۔ امر کا لفظ عام اقوال و افعال کے لئے عام ہے۔ جب امر حکم کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بصیغہ امر ہی ہو بلکہ بصیغہ امر ہو خواہ بلفظ خبر یا بطریق اشارہ و کنایہ ہو یہ سب امر کے معنی میں داخل ہے (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ آیا روح نفس ہی ہے یا کچھ اور۔ سہیلی نے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ روح ہوا کی طرح شفاف لطیف چیز ہے (ایک) جو جسم میں اس طرح سرایت کئے ہوتی ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی اور جب فرشتہ اس روح کو شکم مادر میں بچے کے اندر پھونکتا ہے تو وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے اس کے سبب ہی وہ اچھی بری صفات حاصل کرتا ہے یا تو یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے یا نفس امارہ، اس کی مثال یوں سمجھ لیں جس طرح پانی درخت کی حیات ہے لیکن درخت کے ساتھ اتصال کے باعث اسے ایک خاص نام دے دیا جاتا ہے مثلاً انگور۔ جب اسے نچوڑیں گے تو اس کے پانی کو شراب یا کوئی دوسرا نام دیں گے، پانی نہیں کہیں گے البتہ مجازی طور پر پانی کہا جا سکتا ہے نہ کہ حقیقی طور پر، بالکل اسی طرح نفس کو روح نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح روح کو بھی نفس نہیں کہا جا سکتا مگر بلحاظ انجام کے خلاصہ کلام یہ ہے کہ روح نفس کی اصل اور اس کا مادہ ہے**

** نفس روح اور بدن کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح ایک وجہ سے نفس ہے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ یہ بہت عمدہ بات ہے۔ (الروض الانف) (س م ح ش)۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ۙ

کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ
اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں
ایک دوسرے کے مددگار ✱ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں
لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تاکہ ہدایت پائیں) پس انکار کر دیا
اکثر لوگوں نے سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں ✱ اور کافروں نے کہا ہم ہرگز ایمان
نہ لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ
(۱۷/۸۸ تا ۹۰ ✱ ت : من)

۸۸۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لیے جمع ہو جائیں تو اس جیسا
قرآن نہیں لا سکیں گے خواہ باہم مل کر ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں اور سب مل کر کوشش کریں یعنی
اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلیغ، زبان دان، شاعر اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت حسن ترتیب
اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت پیش نہیں کر سکتے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیت
اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا "اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں"۔ اللہ تعالیٰ
نے اس آیت میں کافروں کے قول کو غلط قرار دیا۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ
اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا۔ باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن
جیسی پیش نہیں کر سکے۔ بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں ملائکہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاید اس کی وجہ
یہ ہے کہ اگر ملائکہ کوئی کلام قرآن کی طرح اپنا بنایا ہوا پیش بھی کر دیں، تب بھی قرآن انسانوں
اور جنات کے لیے تو معجزہ رہے گا اور اس کے معجزہ ہونے میں فرق نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ
ایک بات یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے توسط سے تو یہ قرآن پہنچا ہے انسان اور جن کی وساطت میں
کوئی دخل نہیں ہے۔ مفسر بغوی نے کہا ہے کہ قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی
ہے کہ خود بنا کر لاؤ اور جس میں وحی خداوندی کو کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور

لا نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو۔ کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام
بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں وہ معصوم ہیں (تفسیر مظہری۔ ت)

۸۹۔ یہاں مثل سے مراد ہے عجیب و غریب معانی ان کے دلائل، گزشتہ واقعات، ڈرانا، خوش خبریاں
دینا۔ چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اور قرآن سارے انسانوں کے لئے آیا ہے لہٰذا اس
میں سب چیزیں ہونی چاہئیں۔ امام جعفر ابن محمد صادق فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی عبارت عوام
کے لئے ہے اور اس کے اشارے خواص کے لئے اس کے لطائف اولیاء اللہ کے لئے اور اس کے حقائق انبیاء کرام
کے لئے ہیں۔ (نور العرفان)

۹۰۔ جب قرآن کریم کا اعجاز خوب ظاہر ہو چکا اور معجزات واضحات نے حجت قائم کر دی اور کفار کے لئے کوئی جائے
عذر باقی نہ رہی تو وہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے اور انہوں نے کہہ دیا
کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے مروی ہے کہ کفار قریش کے سردار کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے
سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلوایا حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ
آج گفتگو کر کے آپ سے معاملہ طے کر لیں تاکہ ہم پھر آپ کے حق میں معذور سمجھے جائیں عرب میں کوئی آدمی ایسا
نہیں ہوا جس نے اپنی قوم پر وہ شدائد کئے ہوں جو آپ نے کئے ہیں آپ نے ہمارے باپ دادا کو برا کہا ہمارے
دین کو عیب لگائے ہمارے دانشمندوں کو کم عقل ٹھہرایا معبودوں کی توہین کی جماعت متفرق کر دی
کوئی برائی اٹھا نہ رکھی اس سے آپ کی کیا غرض ہے اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں
کہ ہماری قوم میں آپ سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اگر اعزاز چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار
بنا لیں اگر ملک و سلطنت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیں یہ سب باتیں کرنے کے لئے ہم تیار
ہیں اور اگر آپ کو کوئی دماغی عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا کوئی خلش ہو گیا ہو تو ہم آپ کا علاج کریں
اور اس میں جس قدر خرچ ہو اٹھائیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان میں سے کوئی بات
نہیں اور میں مال و سلطنت و سرداری کسی چیز کا طلب گار نہیں واقعہ صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کے
ماننے پر اللہ کی رضا اور نعمت آخرت کی بشارت دوں اور انکار کرنے پر عذاب الہٰی کا خوف
دلاؤں میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اگر تم اسے قبول کرو تو یہ تمہارے لئے دنیا و
آخرت کی خوش نصیبی ہے اور نہ مانو تو میں صبر کروں گا اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار کروں گا اس
پر ان لوگوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ ہمارے معروضات کو قبول نہیں
کرتے ہیں تو ان پہاڑوں کو ہٹا دیجئے اور میدان صاف نکال دیجئے اور نہریں جاری کر دیجئے اور

ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر دیجئے ہم ان سے پوچھ دیکھیں کہ آپ جو فرماتے ہیں کیا یہ سچ ہے اگر وہ کہہ دیں تو ہم مان لیں گے۔ حضور نے فرمایا میں ان باتوں کے لئے نہیں بھیجا گیا جو پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں وہ میں نے پہنچا دیا اگر تم مانو تو تمہارا نصیب نہ مانو تو میں خدائی فیصلہ کا انتظار کروں گا کفار نے کہا پھر آپ اپنے رب سے عرض کر کے ایک فرشتہ بلوا لیجئے جو آپ کی تصدیق کرے اور اپنے لئے باغ اور محل اور سونے چاندی کے خزانے طلب کیجئے فرمایا میں اس لئے نہیں بھیجا گیا میں بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں اس پر کہنے لگے تو ہم پر آسمان گروا دیجئے اور بعض ان میں سے یہ بولے کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لائیں اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس سے اٹھ آئے اور عبداللہ بن امیہ آپ کے ساتھ اٹھا اور آپ سے کہنے لگا خدا کی قسم میں کبھی آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھو اور میری نظروں کے سامنے وہاں سے ایک کتاب اور فرشتوں کی ایک جماعت نہ لاؤ اور خدا کی قسم اگر یہ بھی کرو تو میں سمجھتا ہوں کہ میں اس پر بھی نہ مانوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر ضد اور عناد میں ہیں اور ان کی حق دشمنی حد سے گزر گئی ہے تو آپ کو ان کی حالت پر رنج ہوا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ "اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو۔" (کنز الایمان۔ حاشیہ صدر الافاضل)

لغوی اشارے * ظَهِيرٌ: یاور، پشتیبان، مددگار۔ مُظَاهَرَةٌ سے بروزن فَعِيلٌ بمعنی فاعل صفت کا صیغہ ▲ صَرَّفْنَا: ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔ ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔ تَصْرِيفٌ سے جس کے معنی پھیرنے اور ظاہر کرنے کے ہیں ماضی کا صیغہ جمع متکلم ▲ كُفُورًا: صفت مشبہ منصوب نکرہ، ناشکر ▲ تَفْجُرَ: تو پھاڑ دے، تو بہا نکالے تَفْجِيرٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ▲ يَنْبُوعًا: اسم مفرد۔ يَنَابِيعُ ہے جمع چشمہ (لغات القرآن)

معلومات مزید * رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص دنیا میں غریب ہیں (۱) قرآن جبکہ ظالم کے دل میں ہو (۲) نیک مرد بدچلن قوم میں (۳) قرآن جبکہ ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ کی جائے (ر) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک قرآن کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور اسے وہاں رکھا جائے جہاں سے اتارا گیا اور اس کی عرش کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناہٹ کی سی آواز ہوگی۔ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے قرآن مجید! کیا کہتے ہو؟ قرآن مجید کہے گا یا اللہ! لوگ مجھے پڑھتے تھے لیکن مجھ پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (س م ح ش)

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝
أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۖ وَلَن
نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي
هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝ ع

یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں
رواں کرو * یا تم ہم پر آسمان گرا دو جیسا تم نے کہا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا اللہ اور
فرشتوں کو ضامن لے آؤ * یا تمہارے لئے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ
اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو
جو ہم پڑھیں۔ تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔
(۱۷/۹۱ تا ۹۳ * ت:ک)

۹۱۔ یا ہو تمہارے لئے باغیچہ کہ جس کے درخت اپنے نیچے والی تمام چیزوں کو چھپا دیں کھجوروں اور
انگوروں کے درختوں سے۔ پس تم زور دار نہریں جاری کرو ان باغات کے درمیان۔ القاموس
میں ہے "خلال الدار" بمعنی ہر وہ جو دار کی دیواروں کے ارد گرد اور گھروں کے مابین واقع ہو
اور خلال السحاب بمعنی مخارج الماء۔ تَفْجِيْرًا۔ کثرت کے ساتھ معنی پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے
اس سے باغات کے درمیان پانی کے وقت نہروں کا اجراء مراد ہے یا ان کا دائمی اجراء مطلوب
ہے جیسا کہ لفظ فاء سے معلوم ہوتا ہے اس سے استدادی اجراء مراد نہیں۔ (تفسیر روح البیان۔ ت)
۹۲۔ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور اس کے کنارے ٹوٹ جائیں گے
آپ دنیا ہی میں ایسا کر گزریں اور آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔ یہ قول بالکل
ان کے قول جیسا ہے۔ "اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا
ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔ (۸/۳۲) قوم شعیبؑ نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: تو
اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں سے ہو: (۲۶/۱۸۷)۔ اس مطالبہ پر
انہیں چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور وہ واقعی ایک بڑے دن کا شدید عذاب تھا
لیکن ہمارے رحمت والے رسول نے جو نبی التوبہ، نبی الرحمۃ اور رحمۃ للعلمین ہیں، اللہ تعالیٰ سے

سے درخواست کی کہ وہ انھیں مزید مہلت عطا فرمائے۔ بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کردے جو صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور واقعی ایسا ہی ہوا، انھی میں سے متعدد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حقیقی اور سچے مسلمان ثابت ہوئے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی امیہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ناروا باتوں سے بہت زیادہ رنجیدہ کردیا تھا اور اسلام نہ لانے کی قسم کھائی تھی مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ترجمہ)

۳۰۔ زخرف کا اصلی لغوی معنی ہے سجاوٹ۔ اس جگہ مراد ہے سونے کا مکان۔ یہ قول عبداللہ بن امیہ کا تھا۔ کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب کے اندر تمہاری تصدیق ہو اور ہم کو آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ قل۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کہہ دیجیے یعنی ان کے سوالات ومطالبات پر تعجب کرتے ہوئے کہہ دیجیے۔ یا اللہ کو اس کمزوری سے پاک قرار دیتے ہوئے کہہ دیجیے[۳۲] کہ تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کردے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کرچکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن جیسا اس نے اتار دیا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیے اور طرح طرح کے معجزوں کا ظہور ہوچکا اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے تفصیلی جواب دوسری آیات میں آیا ہے۔ فرمایا ہے ✱ "اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو" (۶/۷) ✱ اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں کہ دن کو اس میں چڑھتے۔ جب بھی یہی کہتے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے۔ (۱۵/۱۴، ۱۵) ✱ اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین پھٹ جاتی یا مردے باتیں کرتے جب بھی یہ کافر نہ مانتے بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں ... (۱۳/۳۱۔ ترجمہ آیات: کنزالایمان)۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۳۲۔ پاک ہے میرا رب، میں کون ہوں مگر بشر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آدمی نہ ہو (سوال) کیا ہے

لغوی اشارے ✱ نَخِیْل: کھجوریں ▲ عِنَب: انگور۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں عنب انگور کو بھی کہتے ہیں اور اس کے درخت کو بھی، اس کا واحد عِنَبَةٌ ہے اور جمع اَعْنَابٌ ہے۔ علامہ فیومی نے مصباح میں لکھا ہے کہ جب تک یہ تازہ رہتا ہے عنب کہلاتا ہے ▲ خِلٰلَ: درمیان، بیچ، وسط، خَلَلٌ کی جمع ہے جس کے معنی دو چیزوں کی درمیانی کشادگی ▲ تَفْجِیْرًا: پھاڑ ڈالنا، بہا نکالنا، بروزن تفعیل مصدر ہے ▲ کِسَفًا: ٹکڑے ▲ قَبِیْلًا: جماعت (ل ق)

مفردات مزید * یہاں رسول کا ذکر ہے۔ جس کا معنی بھیجا ہوا۔ رسول رسالۃ سے ہے۔ موضح القرآن میں ہے۔ جس کو اللہ سے وحی آئی وہ نبی ہے اور ان میں جو خاص ہیں امت رکھتے ہیں یا کتاب وہ رسول ہیں (تحت تفسیر مریم) انوار التنزیل میں لکھا ہے: "رسول وہ ہے جس کو اللہ نے شریعت جدیدہ دے کر مبعوث فرمایا ہو تاکہ وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے۔" بعض محققین کا کہنا ہے کہ جس کو اللہ کی طرف سے وحی آئے اور وہ مومنین ہی کو احکام الٰہی کی تعلیم دے وہ نبی ہے اور جو اس کی دعوت کافروں تک بھی عام ہو تو وہ رسول ہے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں رسول سے کبھی نبی مراد ہے اور کبھی فرشتہ اس لئے حسب موقع معنی لئے جائیں گے نیز لفظ رسول کا اطلاق واحد اور جمع دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ رسول کی جمع رُسُل ہے (ل ق) کتاب المفردات میں ہے۔ نبی وہ ہے جو انسانوں کو وہ چیزیں بتلائے جو اللہ تعالیٰ نے اسے بتائی ہیں پھر اس کی بعثت مخالفین اور منکرین کی طرف ہوئی ہے تو وہ نبی قرآن کی اصطلاح میں رسول ہے ورنہ فقط نبی۔ رسول ہونے کے لئے شریعت جدیدہ کا حامل ہونا ضروری نہیں کیونکہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام رسول تھے حالانکہ حضرت یوسفؑ شریعت ابراہیم علیہ السلام اور حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پیرو تھے اور یہ برگزیدہ انبیاء کسی جدید شریعت کے حامل نہ تھے۔ علامہ رشید رضا لکھتے ہیں۔ نبی وہ ہے جسے وحی الٰہی کے ذریعہ ان احکام و اخبار سے آگاہ کیا جائے جن سے آگاہی انسانی سعی سے ممکن نہیں اور اس بناء پر اسے خود بھی یقین ہو جائے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور رسول وہ نبی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین اور دعوت شریعت اور اپنی ذات کو دوسروں کے لئے عملی نمونہ بنانے کا حکم دیا ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ شریعت جدیدہ یا کتاب جدید بھی لے کر آیا ہو (تفسیر المنار، ج ۹۲)

بہرحال ان تمام اقوال کی روشنی میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ باعتبار "دعوت" اور "مدعوین" کے نبی عام ہے اور رسول خاص لیکن باعتبار جنسیت داعی کے رسول عام ہے کہ اس کا اطلاق رُسُل بشر پر بھی ہوتا ہے اور رُسُل ملائکہ پر بھی اور نبی خاص کہ اس کا اطلاق ملائکہ پر نہیں ہوتا (ق ق) نیز پانچ اولوالعزم رسول ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (س م ح ش)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ
بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے
کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر ! (ایسا
نہیں ہو سکتا) * فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کے بجائے) فرشتے جو اس پر
چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے
آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر * فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان
اور تمہارے درمیان۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال) کو خوب جاننے والا اور
ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (۱۷/ ۹۴ تا ۹۶ * ت: ض)

۹۴۔ اگر لوگ اس بناء پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے سے رکے رہتے ہیں کہ رسولوں کا بشر ہونا ان کے لئے باعث حیرت و استعجاب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: "کیا یہ بات لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی سے ایک مرد کامل پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوش خبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بلند مرتبہ ہے" (یونس/۲) "اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے؟" (التغابن/۶) فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: "کیا ہم اپنے جیسے ان دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے" (المؤمنون/۴۷) "نہیں ہو تم مگر ہماری طرح کے بشر تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان (اصنام) سے روک دو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل" (ابراہیم/۱۰) اس مضمون کی متعدد آیات ہیں پھر اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے لطف و کرم اور رحمت پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انہی کی جنس میں سے ایک رسول ان ہی میں مبعوث کیا تاکہ اس رسول سے بذریعہ گفتگو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکیں اور اگر کسی فرشتہ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ نہ اس کا سامنا کر سکتے اور نہ ہی اس سے کچھ اخذ کر پاتے جیسا کہ فرمایا۔ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے

ان ہی سے ایک رسول مبعوث فرمایا (آل عمران/۱۶۴) "بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک برگزیدہ رسول تشریف لایا" (التوبہ/۱۲۸) "جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس تم ہی سے رسول، وہ تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو" (البقرہ - آیات ۱۵۱، ۱۵۲) (تفسیر ابن کثیر - ترجمہ)

۹۵ - آپ کہہ دیجئے اگر زمین پر فرشتے چین کے ساتھ چلتے پھرتے (فرشتوں کی آبادی ہوتی اور یہیں ان کی سکونت ہوتی آسمان تک پہنچنے کا ان کو اختیار نہ ہوتا) تو ہم آسمان سے ان کے لئے رسول بنا کر کسی فرشتے کو اتار دیتے (لیکن زمین پر تو آدمی آباد ہیں، آسمان پر جا کر یہ خود احکام حاصل نہ کر سکتے ان کی ہدایت کے لئے تو آدمی ہی رسول بنا کر بھیجنا ضروری تھا اس میں تعجب کی کیا بات ہے)
(تفسیر مظہری - ترجمہ)

۹۶ - فرما دیجئے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کافی ہے گواہ اس بات پر کہ میں نے تمہارے پاس اس کے احکامات پہنچا دیے اور تم نے تکذیب کی اور ہمت سے ہمت مخالفت کی بینی و بینکم میرے اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں (رسول اور امتی) سے باخبر اور ان کے ظاہری اور باطنی احوال کو دیکھتا یعنی محیط ہے تو انہیں ان کے اعمال پر جزا و سزا دے گا۔ اس میں حضور علیہ السلام کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے۔
(تفسیر روح البیان - ترجمہ)

لغوی اشارے ★ بشر: آدمی، انسان، اصل میں بَشَرَۃٌ کھال کی ظاہری سطح کو کہتے ہیں اور اَدَمَۃٌ باطنی سطح کو۔ تمام ادبا کا یہی قول ہے مگر ابوزید نے اس کے برعکس کہا ہے چنانچہ ابوالعباس وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے بَشَرَۃٌ کی جمع بَشَرٌ اور اَبشارٌ آتی ہے انسان کو بھی بشر اسی لئے کہتے ہیں کہ اور حیوانوں میں تو کسی کی کھال اون سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہے اور کسی کی بالوں سے مگر انسان کی کھال سب حیوانات کے برخلاف کھلی ہوتی ہے لفظ بشر کا استعمال واحد اور جمع دونوں کے لئے یکساں طور پر ہوتا ہے باب تثنیہ میں "بشرین" آیا ہے قرآن مجید میں انسان کے ظاہر جسم اور جثہ کو بشر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کفار نے جب انبیاء پر زبان طعن دراز کی تو اسی وصف بشریت کو نشانہ بنایا قرآن مجید نے جواب میں اس حقیقت کو قائم رکھا کہ بلاشبہ بشریت میں سب برابر ہیں مگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے معارف جلیلہ اور اعمال جلیلہ کے ذریعہ امتیاز و اختصاص فرما کر سرفراز فرمائے ۔
"ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے" (ابراہیم/۱۱) اور ۔ "تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے..."

(الکھف/۱۱۰) میں اس حقیقت کو قائم رکھ کر فرق و امتیاز کو واضح کیا ہے۔ سورہ مریم میں جو ○... وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔" (مریم/۱۷) وارد ہے اس میں فرشتہ کا خوبصورت انسان کی شکل میں آنے کا بیان ہے اور سورہ یوسف میں جو ○... اور (عورتیں) بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں، یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ (یوسف/۳۱) یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق انسانیت کی نفی مقصود نہیں بلکہ عورتوں کے اظہار تعجب و حیرت کا بیان ہے ▲ مُطْمَئِنٌّ : اسم فاعل واحد مذکر اِطْمِینانٌ مصدر (افعلال) قطعی سکون پانے والا (راغب) طمانیت اور اطمینان وہ سکون اور ٹھہراؤ جو مشقت اور کوفت کے بعد حاصل ہو، ایمان کے بعد ایک مرتبہ سکون قلب کا آتا ہے جس کے حصول کے بعد کوئی شبہ اور وسوسہ ہی پیدا نہیں ہوتا جس کو صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق عین الیقین کا درجہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کبھی اطمینان کا معنی ہوتا ہے اپنے ارادہ اور قصد کو کسی چیز پر ٹھہرا دینا۔ طلب کو ادھر ادھر یا آگے نہ بڑھانا نہ اس چیز سے ہٹنے کی خواہش کرنا جیسے "اطمانوا بہا" وہ صرف دنیوی زندگی پر مگن ہو گئے۔ تطامن کا بھی یہی معنی ہے ▲ مُطْمَئِنِّیْنَ" اسم فاعل جمع مذکر منصوب۔ وطن بنا لینے والے۔ قیام کرنے والے (لغوی) ▲ خَبِیْرٌ : خبردار، دانا، خُبْرٌ سے بروزن فَعِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور قرآن مجید میں یہ ذات باری ہی کے لئے استعمال ہوا ہے ▲ بَصِیْرٌ : دیکھنے والا، جاننے والا۔ بروزن فَعِیْلٌ بمعنی فاعل ہے۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید ✶ کفار کے کفر کی اصل و بنیاد یہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو انسان ہی سمجھتے رہے وہ ان کے منصب نبوت و رسالت اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو معجزات و کمالات سے سرفراز فرمایا نہ ان کا اقرار کیا اور نہ اعتراف کیا یہی وجہ ہے کہ وہ بولا کرتے کہ ہدایت کے لئے کوئی ملک کیوں نہیں بھیجا گیا ✶ کفار کے تاریک دماغوں میں یہ بات جم گئی تھی کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ حقیقت اٹل ہے کہ رسولوں کے بھیجے جانے کا مقصد ہی تعلیم و ہدایت ہے چونکہ زمین پر بسنے والے اکثر آدمی ہیں لہٰذا ان کی بہتر تعلیم اور اخلاقی تربیت کا کام انسانوں کا ہم جنس ہی بخوبی انجام دے سکتا ہے اگر زمین پر انسانوں کے بجائے ملائکہ بستے تو ان کی ہدایت و راہبری کے لئے اگر کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا تو کسی فرشتہ ہی کو یہ ذمہ داری سپرد کی جاتی ✶ ان کا خیال تھا کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں حالانکہ ملائکہ ساجد اور بشر مسجود تھا بشر میں اسرار خلافت مخفی رکھے۔ بہت سارے حقائق و دلائل سے ثابت ہے کہ رسالت و خلافت و ملوکیت کا اہل حضرت انسان ہے۔ یہاں بشر من حیث البشر کی فضیلت کا بیان ہے ورنہ کفار کی بشریت ملائکہ سے افضل نہیں ایسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کل کائنات سے افضل ہے اور بے نسبت کی شان۔ (س م ح ش)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّ
صُمًّا ؕ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ
بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ
فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے پھر ان کے لیے اس کے سوا تم کو کوئی چارہ گر نہ ملے گا اور ہم ان کو قیامت کے دن منہ کے بل اندھے گونگے بہرے کر کے چلائیں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب آگ بجھنے لگے گی تو ہم اور بھڑکا دیں گے ✱ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہہ دیا کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے ✱ کیا وہ نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے وہ ان جیسے اور بھی بنا سکتا ہے اور ان کے (بار دگر پیدا کرنے کے) لیے اس نے ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک نہیں اس پر بھی ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے

(۱۷/۹۷ تا ۹۹ ✱ ت: ح)

۹۷۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں پورا پورا تصرف حاصل ہے اور اس کا حکم ہر حال میں نافذ ہے، کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، وہ جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرما دے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے اس کے لئے بجز اس کے کوئی مددگار نہیں جو اسے ہدایت کی راہ پر گامزن کر سکے جیسا کہ سورہ کہف میں بھی آیا ہے: "جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما نہیں پائے گا"۔ حضرت انس بن مالک رضہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لوگوں کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا "جس نے انہیں پیروں پر چلایا وہ انہیں اوندھے منہ چلانے پر بھی قادر ہے" (صحیح بخاری) حضرت ابوذرؓ کھڑے ہوئے اور کہا۔ اے بنی غفار! بات کرو

لیکن قسمیں نہ کھاؤ، کیونکہ صادق و مصدوق پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بتایا ہے کہ لوگوں کو تین گروہوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک گروہ کے لوگ سوار، کھانے پینے اور پہننے والے ہوں گے، دوسرے گروہ کے لوگ پیدل دوڑ رہے ہوں گے، جبکہ تیسرے گروہ والوں کو فرشتے اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم رسید کر دیں گے۔ سامعین میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ دو گروہ ہوں گے تو سمجھ آتی لیکن پیدل دوڑنے والوں کا کیا معاملہ ہے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ سواریوں پر آفت ڈال دے گا اور کوئی سواری باقی نہیں بچے گی یہاں تک کہ ایک آدمی اپنا پسندیدہ باغ دے گا کہ اس کے بدلے میں پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن وہ اسے حاصل نہ کر پائے گا (سنن نسائی)
ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: عُمْيًا ... یعنی نہ انہیں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ وہ گفتگو پر قادر ہوں گے اور نہ کچھ سن سکیں گے مختلف حالات میں ان کے ساتھ یہ بیتے گا۔ جس طرح وہ دنیا میں حق سے اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، اسی طرح میدان حشر میں انہیں بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے بنا دیا جائے گا حالانکہ قیامت کے دن انہیں ان اعضاء کی سخت ضرورت ہوگی ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جب بھی اس کی آگ سرد اور دھیمی ہوگی اس کی آگ مزید تیز کر دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ترجمہ)

۹۸۔ "یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور اس کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ریزے ہو جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کیے جائیں گے" یعنی جہنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات میں پھیلی ہوئی تکوینی آیات پر غور و فکر نہیں کیا جس کی وجہ سے انہوں نے وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے۔ (ص ی)

۹۹۔ "کیا انہوں نے غور نہیں کیا" یا انہوں نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو مادہ کے بغیر بنایا باوجودیکہ یہ جو دو طبق اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہیں۔ قادر ہے اوپر اس کے کہ وہ ان جیسے اور بنائے یعنی صغریٰ میں ان کے مثل ہوں یا یہ کہا جائے کہ لفظ مثل زائدہ ہے اور "خلق" سے اعادہ مراد ہے اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ لفظ مثل سے شے کی ذات مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے (تیرے جیسے ایسے نہیں کرتے یعنی تم ایسا نہیں کرتے) اور ان کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ وہ ذات جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق پر قادر ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں انہیں اٹھائے (ف) کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فنا کرنے کا ایک دن مقرر کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اس وقت سے ان کی موت یا ان کے قیامت کے دن اٹھنے کا دن مراد ہے۔ پس ظالموں نے انکار کیا کہ حق کے سامنے سر جھکانے سے رک گئے اور نہ سر تسلیم خم کرنے سے وہ راضی تھے سوائے اس سے انکار کرنے کے۔ (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✱ عُمْیًا: اندھے، کوردل۔ اعمیٰ کی جمع۔ اَعمیٰ کا استعمال آنکھوں کے اندھے اور دل کے اندھے دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی اندھوں کی مذمت ہے اس سے کوردل مراد ہیں ▲ بُکْمًا: گونگے۔ اَبْکَم کی جمع جس کے معنی پیدائشی گونگے کے ہیں ▲ صُمًّا: بہرے۔ اصم کی جمع ہے ▲ خَبَتْ: وہ بجھی۔ (نصر) خُبُوٌّ، خَبْوٌ سے بمعنی بجھنے کے ماضی کا صیغہ واحد مونث غائب ▲ سَعِیْرًا: دہکتی ہوئی آگ، آگ، دوزخ۔ سعر سے جس کے معنی آگ بھڑکانے کے ہیں۔ فعیل بمعنی مفعول ▲ رُفَاتًا: بوسیدہ، گلا ہوا، چورا۔ جو چیز خشک گھاس کی طرح بوسیدہ ہو کر چورا چورا ہو جائے رفات کہلاتی ہے۔ رُفْتٌ سے مشتق ہے جس کے معنی چورا چورا کرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے ہیں۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✱ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے دنیا اور آخرت میں ہدایت مقرر فرما دیے ہیں کیوں کہ ہدایت نہ ہونا کفار کا عذاب ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث سے وہ ہی فیض لیتا ہے جس کے دل میں ہدایت کا تخم قدرت نے بو دیا ہو۔ قرآن و حدیث رحمت کی بارش ہے معلوم ہوا کہ آخرت میں دل کا حال اعضاء پر ظاہر ہوگا۔ جس کا دل اندھا تھا وہاں اس کی آنکھ اندھی ہوگی۔ (ن ع) اور جس کا دل بہرا تھا وہاں اس کے کان بہرے ہوں گے مگر یہ اول قیامت میں ہوگا پھر حساب کے وقت تیز آنکھیں اور کان دیے جائیں گے ✱ دوزخیوں کو آگ کے بجھنے پر آس ہو جائے گی تب انہیں اور زیادہ تکلیف ہو اس کے بعد وہ آگ بھڑکائی جائے گی ● مشرک منہ کے بل جائیں گے اندھے گونگے بہرے ہوں گے۔ منہ کے بل چلنا محاورہ ہے سرنگوں اور ذلیل ہو کر چلنے سے ان کے دنیا میں تکبر کرنے کا بدلہ ہے اور حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح چلانے پر بھی قادر ہے جب کہ بعض روایات میں آیا ہے دوزخیوں کا اور آیات سے دیکھنے والا سننے والا کہنے والا ہونا (ج) ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ہے پس اس بہرے اندھے گونگے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خوشی کی چیزیں دیکھنے میں نہ آئیں گی نہ سننے میں نہ کہنے میں یا یہ حالت ان کی ابتدا حشر کے وقت ہوگی پھر حساب کے وقت یہ قوتیں دی جاویں۔ فرماتا ہے یہ سزا ان کے کفر اور انکار حشر کے سبب ہے ● کیا ان لوگوں (ت) نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ جس نے ارض و سماوات کی تخلیق فرمائی یعنی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے ایک ایک چیز اور ایک ایک ذرہ ذرہ کو وجود بخشا ہے اس کی قدرت ایسی ہے کہ ان سارے موجودات کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے۔ نیز یہ بات کہ خود اس نے ان کے لئے آخری فیصلہ کی ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا اس کے باوجود ان ظالموں کافروں نے حقیقت کے انکار ہی کی راہ اپنائی۔ (س ح ش)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ
الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ
فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى
مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ج وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝

آپ کہہ دیجیے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے مالک
ہوتے تو اس وقت ضرور تم (ہاتھ) روک لیتے (اس کے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے
اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل * اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو کھلی نشانیاں دیں
جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ نے ان سے پوچھ دیکھیے۔ پھر فرعون
نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسیٰ سحر زدہ سمجھتا ہوں * انہوں نے کہا تو خوب
جانتا ہے کہ (یہ) عجائب بس آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں۔ اور
میں تمھیں اے فرعون ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔ (۱۷/ ۱۰۰ تا ۱۰۲ * ت: م)

۱۰۰۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیں: اے لوگو!
اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کا اختیار مل جائے تو تم اس خوف سے کہ کہیں یہ خزانے ختم
نہ ہو جائیں اپنے ہاتھ روک لیتے اور بخل کا مظاہرہ کرتے۔ حضرات ابن عباس و قتادہ انفاق کا معنی فقر
بتاتے ہیں یعنی تمہیں یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ اگر یہ خزانے خرچ کیے جائیں تو یہ ختم ہو جائیں گے اور ہم بالکل
مفلس اور قلاش ہو جائیں گے حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ہے تمہاری فطرت اور جبلت
اسی لیے فرمایا "انسان بڑا تنگدل، بخیل اور کنجوس ہے۔ ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان
فرمایا "کیا ان کے لیے حکومت میں کوئی حصہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے" (۴/ ۵۳)
اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت بیان کرتا ہے کہ جلد بازی، بخل، لالچ اور بے صبری اس کی صفات ہیں بجز ان
لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نواز کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا۔ سورۃ المعارج کی
آیات ۱۹ تا ۲۲ میں فرمایا "بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو
سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز نمازیوں کے" قرآن کریم میں اس طرح
اور بھی آیات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور فضل و احسان کی بھی دلیل ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ

• اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے دن رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر اب تک
جو اس نے خرچ کیا وہ ان خزانوں میں کمی نہیں لا سکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے۔" (صحیح مسلم / فتح الباری) (تفسیر ابن کثیر)

۱۰۱۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو کھلے ہوئے نشانات قدرت یعنی معجزات دیے تھے۔ تعیین
معجزات میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ عصا، ید بیضا
زبان کی گرہ کھل جانا، سمندر کا لاٹھی کی ضرب سے پھٹ جانا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔
عکرمہ، مجاہد اور عطاء کے نزدیک نو معجزات یہ تھے۔ طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا
ید بیضاء، قحط اور پھلوں کی کمی۔ قبطیوں میں ایک شخص اور اس کی اہلیہ سو رہے تھے (شاید حضرت موسیٰؑ
کی بددعا سے) دونوں پتھر بن گئے۔ ایک عورت کھڑی پکا رہی تھی (شاید حضرت موسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرنے سے)
وہ بھی پتھر کی ہو گئی۔ محمد بن کعب قرظی نے طمس (صورتوں کو بدل دینا یا مسخ کر دینا) اور سمندر کو پھاڑنے اور طور
کے سروں پر معلق ہو جانے کو بھی تسع آیات میں شمار کیا ہے۔ حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے کہ ایک
یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام
یہ ہیں) ۱۔ کسی چیز کو اللہ کا ساجھی قرار نہ دو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا (بدکاری) نہ کرو (۴) ناحق ناجائز
خون نہ کرو (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بغاوت کا الزام و تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے
کے لئے نہ لے جاؤ (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت
نہ لگاؤ (۹) جہاد میں بوقت مقابلہ بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو! تمہارے لئے
خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی حرمت (حدود شرعیہ) سے تجاوز نہ کرو (کوئی حیلہ
بہانہ کر کے سنیچر کے دن اپنے کاروبار معاشی جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لئے تلاش کرو) یہ
سن کر دونوں یہودیوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں چومے اور بول اٹھے کہ ہم گواہی
دیتے ہیں کہ آپ نبیؐ ہیں۔ اس روایت کی روشنی میں آیات سے مراد احکام ہوں گے * پھر ہم نے موسیٰ
سے کہا کہ بنی اسرائیل کو مانگ لو یعنی فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے اور موسیٰ سے
یہ بات ہم نے اس وقت کہی جب وہ فرعون اور اس کے آدمیوں کے پاس پہنچے تھے * فرعون نے موسیٰؑ
سے کہا موسیٰؑ میرا تو یہ قطعی خیال ہے کہ تمہارے اوپر یقیناً جادو کیا گیا ہے تم بلاشبہ سحر زدہ ہو
کہ ایسی ناممکن باتوں کے مدعی بن بیٹھے ہو اپنے کو اللہ کا رسول کہتے ہو۔ کلبی نے مسحوراً کا ترجمہ
حق سے برگشتہ کیا ہوا کیا ہے اور ابو عبیدہ نے کہا مسحور بمعنی ساحر ہے یعنی جادوگر۔ ابن جریر نے
کہا سحر کی تعلیم دیا ہوا۔ یہ باتیں سحر کے سبب ہیں (بحوالہ تفسیر مظہری۔ ت)

۱۰۲۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! تو نے انہیں اگر عقل سے سمجھا ہوتا تو ضرور تو انہیں مان جاتا۔ ان معجزات کو آسمانوں اور زمین کے رب یعنی خالق نے نازل کیا ہے۔ یہ معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں جو مجھے میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتی ہیں لیکن ان کا مقابلہ میں ضد کرتا بلکہ تکبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت و رسالت پر دلالت کرتا ہے مثبوراً بمعنی ہر خیر سے دور اور ہر برائی کا خوگر یا مثبور بمعنی ہالک از ثبور بمعنی ہلاک۔ اب معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون مجھے یقین ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔ (روح البیان ۔ ت)

لغوی اشارے ✶ خَزَآئِنَ : خزانے، خزانہ اور خزینہ کی جمع ▲ خَشْيَةً : خوف، ڈر، ہیبت خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم شامل ہو، یہ بات اکثر حالات میں جس کا ڈر ہو، اس کے علم سے ہوتی ہے ▲ قَتُورًا : صیغہ صفت مشبہ، کنجوس طبیعت والا، بخیل ▲ اَمْسَكْتُمْ : تم نے روک رکھا ▲ اَظُنُّ : میں خیال کرتا ہوں، میں سمجھتا ہوں (نصر) ظَنٌّ سے مضارع کا صیغہ واحد متکلم ظَنٌّ کے معنی اس اعتقاد راجح کے ہیں جس میں اس کے خلاف ظہور پذیر ہونے کا بھی احتمال موجود ہو، کبھی شک اور کبھی یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ▲ بَصَائِرُ : کھلی دلیلیں، ظاہر نصیحتیں، بَصِيرَةٌ کی جمع۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ اے حبیب ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے خزانے مل جائیں تاکہ تم انہیں تصرف میں لاؤ تو تم اپنے اندیشوں اور تنگدلی کے سبب انہیں خرچ نہ کرتے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں اور تم خالی ہاتھ تنگدست نہ ہو جاؤ جب کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اور عطائیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ انسان کی طبیعت میں بخالت ہے اس لئے وہ خرچ کرنے میں بڑا کنجوس ہوتا ہے وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ فقر و محتاجی میں مبتلا نہ ہو جائے البتہ جو مومن اور نمازی ہوتے ہیں وہ سخی و فیاض ہوتے ہیں ● اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور دلیل و برہان نبوت نو نشانیاں عطا کیں تاکہ وہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ان کرشمہ ہائے قدرت کو دکھا کر اپنے پیام حق کو پہنچائیں اور اس کی صداقت و حقانیت کا ثبوت فراہم کر سکیں۔ اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجۂ استبداد سے چھڑائیں ان نشانیوں کو دکھا کر اپنی نبوت کا اظہار کر کے فرعون سے بنی اسرائیل کو طلب کریں۔
فرعون آیات تسع اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ کو سن کر کہا کہ آپ پر سحر کا اثر ہے کہ آپ ایسی باتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں جو ناممکن ہے ● حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ناسمجھی نادانی اور محرومی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ کہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ جتنے معجزات ہیں وہ سب خالق کائنات نے اپنی حکمت و کرم سے آسمان سے اتارے ہیں اللہ تعالیٰ نوں اور زمین کا خالق مالک اور ہر وقت دیکھ رہا ہے اے فرعون اب تیری تباہی بربادی اور ہلاکت ہونے والی ہے خوب سمجھ لے (س م ح ش)

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۙ
وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ؕ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۘ

پس اس نے ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ پھینک دے سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو * اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر * اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمت الٰہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا۔ (۱۷/۱۰۳ تا ۱۰۵ * ت: ض)

۱۰۳۔ فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجہ سے ارادہ کیا کہ وہ (فرعون) موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو دور ہٹا دے زمین مصر سے یا تمام روئے زمین سے قتل کر کے یا جڑ سے کاٹ کر تو ہم نے فرعون کو غرق کر دیا اور ان لوگوں کو جو فرعون کے ساتھ تھے یعنی قبیلوں کو سب کو۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی (ف) اللہ ارشاد ہی ہے کہ ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا کہ اسے اور اس کی قوم کو غرق کر کے سب کی جڑ کاٹ دی۔ (روح الامین بیت)

۱۰۴۔ وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں جس سے فرعون نے تمہیں نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے مراد ، گردش زمانہ یا حیات اخروی یا قیامت یا دار الاخرۃ یعنی جنت ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے لے آئیں گے۔ پھر سعادت مندوں کو بدبختوں سے جدا کیا جائے گا۔ اللفیف مختلف قبائل کے گروہوں کو کہتے ہیں جب وہ اکٹھے اور ملے جلے ہوئے ہوں۔ قیامت کے دن سب اکٹھے ہوں گے ان میں مومن کافر، نیک و فاجر سب اکٹھے ہوں گے۔ کلبی نے لکھا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ہوگا تو ہم تمام قوموں کو ادھر ادھر سے لے آئیں گے اور وہ سب جمع ہو جائیں گے (تفسیر مظہری ت)

۱۰۵۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز (قرآن مجید) کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ ہی نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا یعنی یہ حق کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا

"لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی ہے" (۴/ ۱۶۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے مطابق اتارا ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود بھی اس کے احکام، اوامر اور نواہی پر مطلع کرنا ہے۔ فرمایا۔ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ یعنی یہ قرآن آپ کے پاس بالکل محفوظ پہنچا ہے اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ اسے آپ کے پاس لے کر آنے والا وہ فرشتہ ہے جو بہت طاقتور، امین، معزز اور عالم بالا میں فرشتوں کا سردار ہے۔ پھر فرمایا۔ اے محبوب ہم نے آپ کو رسول مبعوث فرمایا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو رحمت الٰہی کا مژدہ سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

● "اور ہم نے قرآن کو حق ہی کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ اترا" شیاطین کے خلط سے محفوظ رہا اور کسی تغیر نے اس میں راہ نہ پائی تبیان میں ہے کہ حق سے مراد حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ (فائدہ) آیت شریف کا یہ جملہ ہر ایک بیماری کے لئے عمل مجرب ہے موضع مرض پر ہاتھ رکھ کر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو باذن اللہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کے متوسلین قارورہ لے کر ایک نصرانی طبیب کے پاس بغرض علاج گئے راہ میں ایک صاحب ملے نہایت خوش رو خوش لباس ان کے جسم مبارک سے نہایت پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی انہوں نے فرمایا کہاں جاتے ہو ان لوگوں نے کہا ابن سماک کا قارورہ دکھانے فلاں طبیب کے پاس جاتے ہیں انہوں نے فرمایا سبحان اللہ اللہ کے ولی کے لئے غیر سے مدد چاہتے ہو قارورہ پھینکو واپس جاؤ اور ان سے کہو مقام درد پر ہاتھ رکھ کر پڑھو بالحق انزلنہ وبالحق نزل۔ یہ فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے ان صاحبوں نے واپس ہو کر ابن سماک سے واقعہ بیان کیا انہوں نے مقام درد پر ہاتھ رکھ کر یہ کلمے پڑھے فوراً آرام ہو گیا اور ابن سماک نے فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے (حاشیہ کنز الایمان)

لغوی اشارے ✶ يَسْتَفِزَّهُمْ : واحد مذکر غائب مضارع منصوب بمعنی مصدر استفزاز مصدر (استفعال) کہ ان کے قدم وہ اکھاڑ دے۔ ان کے قدم اکھاڑ دینا ▲ لَفِيفًا : صفت مشبہ، آدمیوں کا وہ بڑا گروہ جس میں مختلف قبائل کے آدمی جمع ہوں۔ طَعَامٌ لَفِيفٌ دو یا زیادہ اقسام سے ملا ہوا کھانا فلانٌ لفيفُ زيدٍ فلاں شخص زید کے ساتھ مخلوط ہے یعنی اس کا دوست ہے۔ لِفَافَةٌ لپیٹنے کا کپڑا۔ لفائف جمع۔ لِفٌّ لُفٌّ وہ گروہ جس میں ہر طرف سے ہر قسم کے لوگ آ کر مخلوط ہو گئے ہوں۔ لُفُوفٌ جمع نیز چھوٹے گروہ جن کو ادھر ادھر سے جمع کر لیا جاتا ہے ▲ حق : حق، حق کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں اور اس کا استعمال چار طرح پر ہوتا ہے۔ ۱۔ اس ذات

کے لئے جو اپنی حکمت اقتضاء کی بنا پر کسی شے کی ایجاد فرماتے اللہ تعالیٰ کو اسی لئے حق کہا جاتا ہے۔ ۲۔ وہ چیز جو حکمت کے مقتضیٰ کے مطابق ایجاد کی گئی ہو اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل فعل حق ہیں ۳۔ کسی شے کے متعلق وہ اعتقاد رکھنا جو نفس الامر کے مطابق ہو چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں کا اعتقاد حق ہے۔ ۴۔ وہ قول یا فعل جو اسی طرح واقع ہو جس طرح پر کہ اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو کہ جس مقدار اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے چنانچہ قول حق اور فعل حق اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید * فرعون اصل میں یہ لفظ فارا، اوہ تھا مصری زبان میں اسے فارا کے معنی محل اور اوہ کے معنی اونچا بڑا تھا فارا اوہ محل کبیر عالی، اس سے مراد شاہ مصر کی ذات ہوتی تھی جیسے خلافت عثمانی کے زمانہ میں باب عالی سے مراد خلیفہ کی ذات ہوتی تھی یورپ کی زبانوں میں بھی لفظ فرعون آیا ہے (مولفات بروکس)

* اس لفظ کو اہل لغت نے تفرعن سے مشتق کیا ہے جس کے معنی تکبر کے ہیں لیکن اصل میں یہ فرعوہ سے لیا گیا ہے جس کے معنی مصر کی لغت قدیم میں شہنشاہ اعظم کے ہیں عربوں نے معرب کر کے فرعون بنا لیا، جمع اس کی فراعنہ آتی ہے۔ فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا جو مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے جس طرح ہندوستان میں راجہ اور قدیم روم کے بادشاہوں کو قیصر کہتے ہیں * مواہب علیہ میں لکھا ہے کہ فرعون کا نام قابوس بن مصعب بن ولید تھا اور فرعون اس کا لقب تھا (اس زمانہ میں ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے جیسا کہ اب مصر میں خدیو کہا جاتا تھا) * تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ جب فرعون کہ نام اس کا ولید بن مصعب اور بہ سبب افروختگی چہرہ کے قابوس لقب ہوا تھا ملک مصر پر قابض ہوا تو اسباب تمکنت وجاہ ہر طرف سے بہم پہنچایا اور گھمنڈ کرنے لگا * حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کا نام اپوفس تھا۔ حضرت موسیٰ کی جس فرعون نے پرورش کی تھی اس کا نام رعمسیس دوم یا رعمسیس تھا۔ یونانی اس کو سوسترس کہتے تھے اور عبرانی فرعون التسخیر۔ رعمسیس کے بیٹے منفتاح کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اسی سے مقابلہ ہوا اور یہی ۱۴۹۱ قبل مسیح میں غرق ہوا۔ (س م ح ش)

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝
قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ
كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا * تم فرماؤ کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں * اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا۔

(۱۷/ ۱۰۶ تا ۱۰۸ * ت: ک)

۱۰۶۔ فَرَقْنٰهُ تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت پر نازل فرمایا، پھر تیئس سال کے عرصہ میں حالات و واقعات کے مطابق اسے قسطوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اتارا۔ دوسری قراءت فَرَّقْنٰهُ تشدید کے ساتھ ہے۔ (تفسیر طبری ج ۱۵) یعنی ہم نے ایک ایک آیت کر کے اسے وضاحت اور تفسیر کے ساتھ نازل کیا اسی لئے فرمایا لِتَقْرَاَهٗ تاکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر اس کی تلاوت کریں اور ہم نے اسے تدریجاً نازل کیا۔ (ابن کثیر)

۱۰۷۔ آپ ان سے کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، تمہارے ایمان لانے سے اس کی شان نہیں بڑھ جائے گی اور تمہارے ایمان نہ لانے سے اس کی قبولیت میں کوئی فرق نہ آئے گا تم جاہل بے عقل ہو۔ ہاں جو اہل علم ہیں جن کو پہلے سے علم دیا گیا (یعنی کتاب جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان و ابوذر وغیرہم جو انبیاء سابقین کی خبروں کی وجہ سے منتظر تھے کہ کب آخری نبی آئیں گے یا یہ مراد کہ جن کی روحانیت میں ازل سے علم و ادراک ودیعت رکھا گیا ہے) وہ اس کی بے انتہا خوبیاں دیکھ کر اس پر ایمان بھی لاتے ہیں اور جب اس کو سنتے ہیں تو روح کو حرکت دینے والے مضامین سن کر رو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح کر کے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے رب نے قرآن میں (خصوصاً دار آخرت کی بابت) وعدے کئے ہیں وہ قطعاً ہو کر رہیں گے اور یہ کیفیت ان کی قرآن سننے سے اور زیادہ ہوتی ہے، اعتبار ان کا ہے۔ اور جو ازلی گمراہ ہیں انہوں نے نہ مانا تو کیا۔ (تفسیر حقانی)

۱۰۸ ۔ اور وہ لوگ اپنے سجدے میں کہتے ہیں ہمارا رب تعالیٰ پاک ہے ان افعال سے جن کا کفار ارتکاب اور تکذیب کرتے ہیں یا پاک ہے اس سے کہ جو اس نے وعدہ کیا اس کے خلاف کرے مثلاً کتب آسمانی میں لکھا تھا کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا * بے شک شان یہ ہے کہ ہمارے رب تعالیٰ کا وعدہ ضرور واقع ہو کیونکہ وعدہ خلافی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے اور وہ اس پر محال ہی ہے (ف) بعض اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اس سے آخرت کا وعدہ مراد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے قبل قریش کے انکار بعث و نشر سے بھی واضح ہوتا ہے (واللہ اعلم)

(روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے * تَقْرَاَهٗ : تو اس کو پڑھے قَرَأَ يَقْرَأُ قِرَاءَةً سے جس کے معنی حروف و کلمات کو ترتیل میں ایک دوسرے کے ساتھ ملانے اور ضم کرنے کے ہیں یا بالفاظ دیگر حروف اور کلموں کو ملا کر پڑھنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب۔ یاد رہے کہ ہر طرح کے جمع کرنے اور ملانے کے لئے قراءۃ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا چنانچہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے قراءت القوم نہیں کہیں گے اس پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ صرف ایک حرف کے زبان سے ادا کرنے کو قراءت نہیں کہتے ▲ مُکْثٍ : مصدر (نصر و کرم) انتظار کرتے ہوئے توقف کرنا، ٹھہرنا۔ بقول راغب مکث کے مفہوم میں انتظار داخل ہے (المفردات) گویا مکث کے مفہوم کے دو جزو ہیں ۱: ٹھہرنا، توقف کرنا ۲: انتظار ۔ اس جگہ صرف اول معنی ملحوظ ہے یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔

(لغات القرآن)

مفہومات مزید * قرآن : اللہ کی کتاب کا خاص نام جو خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی۔ کسی دوسری آسمانی کتاب کا نام قرآن نہیں۔ قرآن مجید کلام اللہ ہے اور رسول اللہ کا معجزہ عظمیٰ ہے ۔ بے شک قرآن پاک سے دل کے شبہات اور شک مٹتے ہیں اور اس کی برکت سے بدن کے روگ بھی دفع ہوتے ہیں اور اس کے انکار سے نقصان ہے* جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آیات اور حق اور عبرت سے غافل ہے آخرت میں اندھا ہے نعمتوں سے * غافل لوگوں کے دل پہاڑ سے بھی سخت ہیں اگر پہاڑ کو آدمی کی مانند سمجھ کا مادہ ہوتا اور قرآن اس پر اترتا تو خوف خدا کے مارے پھٹ جاتا

افسوس ہے کہ آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی اور قرآن ان پر اتارا لیکن آدمی غفلت کا پردہ نہیں اٹھاتے اور ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتے * قرآن پاک کا بڑا حق یہ ہے کہ اس کو آداب

ہے پڑھنا اور سمجھنا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا چاہئے * ائمہ مفسرین نے فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے اور
اس کی رحمت قرآن اور بعض نے کہا کہ اللہ کا فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت یہ کہ ہم کو قرآن مجید سے
نوازا * قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان ہے * اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں اور صحیفے جو بندوں پر اتاری گئی
ہیں سب میں قرآن حکیم احسن و بہتر ہے * قرآن مجید کے متعلق احادیث شریف میں آیا ہے۔ جس
کے سینے میں کچھ بھی قرآن نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے (ترمذی) ٥ قرآن کی فضیلت دوسرے تمام کلام پر
ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے ٥ قرآن مجید بندہ کی شفاعت کرے گا ٥ قرآن پڑھا کرو
کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش بن کر آوے گا ٥ بعد حمد و ثنا لیس زیادہ
سچا تر کلام کلام اللہ ہے اور بہترین طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے اور بدترین کام
بدعت کے ہیں (مسلم شریف) قرآن سے برکت لو کہ وہ کلام اللہ ہے * خدا کا قرآن ہی بڑی یعنی
وسیلہ * بہترین دوا قرآن ہے * کلام کا سردار قرآن ہے۔ تم شفا دینے والی دو چیزوں یعنی شہد اور
قرآن کو لازم کر لو * بے شک اللہ تعالیٰ سے قرب کے لئے قرآن سے کوئی چیز افضل نہیں (اسد الغابہ،
میزان الاعتدال) نزول کلام الٰہی ساری انسانیت کے لئے عموماً اور اہل ایمان پر خصوصاً تاقیامت
اللہ تعالیٰ کا کرم خاص ہے اور انعام عظیم ہے۔ قرآن پاک ہر کسی کے لئے نور، ہدایت اور تمام آدمیت کا رہبر و
رہنما ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت کا اجر و ثواب حق ہے تاہم اہل سعادت کے لئے اس کلام
پاک آیات جلیلہ کا سمجھنا اور احکام و منشاء حق تعالیٰ کے مطابق زندگی گزارنا درحقیقت دنیا میں
کامیابی اور کامرانی اور آخرت میں مغفرت و نجات کا باعث ہے اور مقصد نزول قرآن کریم ہے
انبیائے سابقین کو عطا کئے جانے والے معجزات کے اثرات وقتی تھے اور اب باقی نہیں رہے لیکن
قرآن کریم کی ہدایات اور تعلیمات کے نورانی اثرات ابتدائے وحی سے آج تک اپنی تمام تر تابانیوں
کے ساتھ باقی و برقرار ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گے اور ان اجالوں میں انسانیت جینے کا
سلیقہ، عبادات اور معاملات کے بارے میں صحیح اور راہ خیر پر سلامتی کے ساتھ گامزن رہے گی
قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا، تلاوت و سماعت، اس کے معانی و معارف کا سمجھنا سمجھانا
اور احکام قرآنی پر عمل پیرائی ہر ایک بات باعث سعادت اور حصول اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔
(س م ح ش)

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ ع
أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ
بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن
لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝

اور منہ کے بل (سجدہ میں) گر کے روتے جاتے ہیں اور وہ ان کو عاجزی میں اور بڑھاتا ہے
* کہدو اللہ کو پکارو خواہ رحمٰن کو پکارو جس نام سے پکارو سب اسی کے عمدہ نام
ہیں اور اپنی نماز نہ چلا کے پڑھا کرو اور نہ چپکے سے ہی پڑھو بلکہ درمیانی طریقہ اختیار
کرلو * کہو سب خوبیاں اللہ ہی کو سزاوار ہیں نہ جس نے کوئی اولاد بنائی اور نہ اس
کی حکومت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس لئے کہ وہ کمزور ہے اس کا کوئی
مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔ (۱۷/۱۰۹ تا ۱۱۱ * ت، ح)

۱۰۹۔ "اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ زاری کرتے ہوئے۔ اور یہ قرآن ان کے (خضوع) و خشوع
کو بڑھا دیتا ہے" حال کے اختلاف اور سبب کے اختلاف کی وجہ سے یخرون للاذقان کو دوبارہ
ذکر کیا ہے۔ پہلا سجدہ وعدہ کے پورا ہونے کے وقت شکر ادا کرنے کے لئے تھا اور دوسرا سجدہ مواعظ
قرآن کے اثر کی وجہ سے کیا۔ یبکون حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے
خوف کی وجہ سے روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں یہاں ٹھوڑیوں کے بل گرنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ سجدہ
کرنے والے کے چہرہ سے سب سے پہلے ٹھوڑی نیچے زمین کے قریب آتی ہے اور اذقان پر لام اس کے ساتھ
گرنے کے اختصاص کے لئے ہے * اور قرآن کا سننا ان میں خشوع کا اضافہ کرتا ہے یعنی ان کے باطن
پر قرآن کی برکات کے نزول کی وجہ سے علم، یقین اور خشوع میں اضافہ ہوتا ہے * قراءت قرآن
کے وقت رونا سنت ہے حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
جو اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کی وجہ سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا حتیٰ کہ دودھ تھنوں میں واپس
چلا جائے کسی مسلمان کے نتھنوں میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی اکٹھے نہ ہوں گے
(تفسیر بغوی) اس حدیث کو بغوی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے
بیہقی نے مختلف الفاظ میں روایت کی ہے دو آنکھوں کو دوزخ کا پانا حرام ہے۔ ایک وہ آنکھ جو

اللہ تعالیٰ کے خوف سے اشکبار ہوئی اور دوسری وہ جو کفار سے اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے بیدار رہی ۔ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے ، راوی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آنکھوں پر دوزخ کی آگ حرام ہے ۱ ۔ وہ آنکھ جو خشیت الٰہی کی وجہ سے روئی ۲ ۔ وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں بیدار رہی (شعب ایمان) ۳ ۔ اور وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر جھک گئی اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے ۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس بندہ مومن کی آنکھ سے خوف الٰہی میں آنسو نکلتے ہیں ، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر بھی ہوں پھر وہ اس کے چہرے پر لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دوزخ پر اس شخص کو حرام کر دیتا ہے (سنن ابن ماجہ) (تفسیر مظہری ۔ ت)

۱۱۰ ۔ یہودیوں نے حضور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ بار بار رحمٰن کا ذکر فرماتے ہیں حالانکہ تورات میں لفظ اللہ کا ذکر بکثرت ہے ان کے سوال پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(ف) یہاں پر دعا سے نام لینا مراد ہے ندا کے معنی میں نہیں اور اللہ اور رحمٰن سے بھی اسماء مراد ہیں مسمّی مراد نہیں ، او تخییر کے لئے ہے مقصد یہ کہ حسن اطلاق اور مقصود تک پہنچانے میں یہ دونوں برابر ہیں اور معنی یہ ہے کہ اس نام سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کر دیا اس نام سے اسے اللہ کا نام لے کر پکارو یا رحمٰن کا نام لے کر ۔ جس نام سے بھی اسے پکارو اس سے اسی حق کو پکارنا ثابت ہوتا ۔ لفظ ما ای کے ابہام کے معنی کی تاکید کے لئے ہے یعنی اسے تو ان دونوں اسموں سے جس اسم مبارک سے اللہ تعالیٰ کو موسوم یا یاد کرو فَلَهُ تو مسمی کے لئے وہ کیوں کہ وہ ذات ان دونوں اسماء سے موسوم ہے اسے کسی ایک اسم سے موسوم نہیں کیا جاتا الاسماء الحسنیٰ اسماء اچھے ہیں یعنی اس کے جمیع اسماء حسن ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اسے ان دونوں اسماء سے موسوم کرنا بھی حسن ہے اور الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے اس لئے کہ اسماء مونث کے حکم میں ہے مثلاً کہا جاتا ہے الجماعة الحسنیٰ اور اس کے جمیع اسماء حسن اس لئے ہیں کہ اس کے جملہ اسماء جلال و جمال پر دلالت ہیں (ف) بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس کے اسماء حسن اس بنا پر ہیں کہ ہر ایک ہی تقدیس وتمجید و تعظیم و ربوبیت کے معانی مشتمل ہیں اور اس کے افعال بھی حسن میں یکتا ہیں * آپ کعبہ الحرام میں نماز کی قراءت اتنا بلند نہ کیجئے کہ مشرکین آپ کی آواز سن پائیں اس لئے کہ جب وہ آپ کی تلاوت قرآن سنتے ہیں تو وہ قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے کے لئے دشنام بکتے ہیں اور قرآن مجید کے لغویات تراشتے ہیں ۔ اور نماز کی قراءت کو اتنا بھی آہستہ نہ پڑھئے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو کچھ سنائی ہی نہ دے یعنی قراءت نماز کو آہستہ آواز میں نہ پڑھئے ، طلب کیجئے جہر و مخافت کے درمیان میں جیسا کہ

اوپر ہم نے بیان کیا ہے۔ درمیانہ معاملہ اس لئے کہ امور میں بہتر متوسط امر ہے اور اسے سبیل سے
اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ توجہ کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اقتدا کرنے والے اس کی طرف
قصد کرتے ہیں تو اپنے مقصود و مطلوب کو پاتے ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

111۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے نہ اپنی کوئی اولاد بنائی اور نہ ہی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے
بلکہ وہ یکتا ہے اور بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔
مزید فرمایا "ولم یکن لہٗ ولیٌّ ... یعنی وہ کوئی حقیر نہیں کہ اسے کسی مددگار، وزیر یا مشیر کی ضرورت
ہو۔ بلکہ صرف وہی تمام اشیاء کا خالق، مدبر اور مقدر ہے، تمام امور کا دارومدار صرف اس کی مشیت پر ہے
آیت کے اختتام میں فرمایا۔ وکبّرہ تکبیرا یعنی ظالموں کی بیہودہ سرائیوں سے آپ خوب اس
کی بڑائی، بزرگی اور پاکی بیان کریں۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ت)

لغوی اشارے ✱ یخرّون : جمع مذکر غائب مضارع خرور سے (ضرب) وہ گر پڑتے ہیں ▲
اذقان : ٹھوڑیاں ذقنٌ کی جمع ▲ خشوعاً : عاجزی، فروتنی۔ خشع یخشع کا مصدر ہے ▲
تجہر : تو بلند آواز کر، تو آواز بلند کرتا ہے، تو آواز بلند کرے گا (فتح) جھرٌ سے، جس کے معنی
اچھی طرح دیکھنے اور خوب سننے کے ذریعہ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر
چنانچہ جھر کا استعمال کبھی تو کھلم کھلا دیکھنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی بلند آواز سے بولنے کے لئے کیوں کہ
اول صورت میں حاسۂ بصر کی اطلاع کے ذریعہ اس کے سننے کا ظہور ہوتا ہے اور دوسری صورت میں حاسۂ سمع کی۔
فعل نہی لا تجہر ▲ تخافت : تو آہستہ کر، آہستہ پڑھ مخافتۃٌ سے جس کے معنی آہستہ گفتگو کرنے
کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر لا تخافت (تو بہت آہستہ نہ کر، تو چپکے نہ پڑھ) فعل نہی ہے (ل ق)

معلومات مزید ✱ جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا انکار کرتے ہیں ان کے متعلق فرمان حق تعالیٰ ہوا کہ اے
محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیں کہ ادعوا اللہ ... یعنی اے اللہ
کہہ کر پکارنے اور رحمٰن کہہ کر پکارنے میں کوئی فرق نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء جلیلہ بہت سے
خوبصورت اور بہترین ہیں ● تفسیر طبری میں ایک اور روایت یہ ہے کہ "ولا تجہر .. کا حکم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ ہجرت کے بعد ساقط ہو گیا۔ اب آپ جیسے چاہیں پڑھیں (طبری
جلد ۱۵) حضرت ابوبکر صدیقؓ جب نماز پڑھتے تو پست آواز سے قراءت کرتے اور حضرت عمرؓ فاروق
بہ آواز بلند قراءت کیا کرتے تھے جب آیۂ کریمہ ولا تجہر ... نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کو ذرا بلند آواز
سے اور حضرت عمرؓ کو آواز ذرا پست کرنے کا حکم ہوا (الغیاث) ● اور کیونکر سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے
جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں
ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو (س م ح ش)